غیر مقلدین کا علمی محاسبہ

مرتب

محمد ضیاء اللہ قادری

ناشر

فیضان سنت پبلیکیشنز

[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غیر مقلدین کا علمی محاسبہ

جلد اوّل

مرتبہ

محمد نعیم اللہ خاں قادری

بی ایس سی۔ بی۔ ایڈ/ ایم اے اردو۔ پنجابی۔ تاریخ

فیضانِ مدینہ پبلیکیشنز جامع مسجد عمر روڈ کاموںکے

نام کتاب ---------- غیر مقلدین کا علمی محاسبہ

مرتبہ ---------- محمد نعیم اللہ خاں قادری

---------- بی ایس سی۔ بی۔ ایڈ/ ایم اے اردو۔ پنجابی۔ تاریخ

ناشر ---------- فیضان مدینہ پبلیکیشنز کاموکے

صفحات ---------- ۱۱۵۲

باراول ---------- جولائی ۲۰۰۵ء

ہدیہ ---------- 550/- روپے

ملنے کے پتے :

- ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور 72250885 ☎ 7247350
- ضیاء القرآن پبلیکیشنز کراچی 2210212 ☎ 021-2630411
- شبیر برادرز لاہور ☎7246006 ، مکتبہ جمال کرم لاہور ☎ 7324948
- فرید بک سٹال لاہور 7224899 ، رضا دراٹی لاہور ، پروگریسو بکس لاہور
- مسلم کتابوی لاہور ، مکتبہ نبویہ لاہور ، سنی کتب خانہ لاہور
- مکتبہ قادریہ گوجرانوالہ ☎237699 ، مکتبہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ ☎ 217986
- مکتبہ مہریہ رضویہ ڈسکہ ، غوثیہ کتب خانہ گوجرانوالہ ، نوری کتب خانہ لاہور
- مکتبہ اعلیٰحضرت لاہور ، میلاد پبلی کیشنز لاہور

فہرست رسائل

فہرست

خاکِ حجاز کے نگہبان

ربِ کائنات کے آخری رسول، کائنات انسانی کے محسنِ اعظم، جنابِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبلیغ وہدایت سے کرۂ ارضی کا گوشہ گوشہ اسلام و ایمان کی تابانیوں سے جگمگا اٹھا۔ تاریکیوں میں اُجالا پھیل گیا، بیمار دل شفایاب ہوکر مسیحا بن گئے، مُردہ رگوں میں حیاتِ تازہ کی لہر دوڑ گئی، ڈوبتی نبضیں پلٹ آئیں، ویرانے لہلہا اٹھے اور آبادیاں باغ و بہار بن گئیں۔

ختمی مرتبت مصطفےٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ کرم نے قطروں کو بیکراں سمندر کی طغیانی اور ذرّوں کو ستاروں کا جمال بخشا، وحشیوں کو تہذیب و تمدن کا امین و رازداں بنایا، اور بے سلیقہ انسانوں کو کشورکشائی و فرمانروائی کا حوصلہ دیا۔ باہمی جنگ و جدال کے خوگر عربوں کو ایک سلک گہر میں پروکر اتحاد کا داعی وعلمبردار اور افقِ انسانیت کا آفتاب و ماہتاب بنادیا۔

وہ جدھر اٹھے ابرِ کرم بن کر کہ انسانی آبادیاں سیراب ہوگئیں، پژمُردگی رخصت ہوئی اور بے آب وگیاہ میدان، شاداب خیابانوں، مرغزاروں اور کشت زاروں میں تبدیل ہوگئے۔ وہ جدھر بڑھے صفتِ سیلِ رواں ہوکر کہ طوفانوں نے خود بڑھ کر راہیں دیں اور پتھر موم بن گئے۔ شوکتِ کسریٰ، شکوہ قیصر اور عظمتِ دارا وجم ان کے قدموں سے لپٹ کر فرش راہ ہوگئی۔ انہوں نے کبر و نخوت کے بتوں کو صفحۂ ہستی سے نیست ونابود کردیا، ان کا پرچمِ اقبال لہرایا تو قصرِ انسانیت کے برجِ رفیع پر نصب ہوگیا اور ان کی عظمت وجلال کے آگے "ایورسٹ" جیسی ہزاروں چوٹیاں سرنگوں ہوگئیں۔

انہوں نے اقوامِ عالم کو کامیاب و بامراد زندگی بسر کرنے کا سلیقہ بتایا۔ جہالت وغباوت کے ماحول میں علم وفن کی شمعیں فروزاں کیں اور علم وحکمت کے مراکز قائم کیے۔ انہوں نے تدبیر مملکت کے دستور مرتب کیے اور دنیا کو جہاں بانی کے آداب سکھائے۔ ان کی فتوحات کی تاریخ پڑھ کر آج بھی عقل انسانی انگشت بدنداں ہے۔ ان کے دانش کدوں کا جلال دیکھ کر آج بھی دنیا دنگ ہے اور ان کے جمال ورعنائی پر فریفتہ ہے۔ زبانیں خواہ اس کا اظہار نہ کریں اور قلم اس حقیقت کے اعتراف سے گریزاں ہو مگر مغربی مفکرین کے دلوں میں بھی یہ بات گھر کر چکی ہے کہ؎

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے

بغداد، دمشق، کوفہ، قاہرہ، اسکندریہ، قزوین، شیراز، اصفہان، غرناطہ، اشبیلیہ، دہلی، لاہور، سمرقند، بخارا، یہ کیسے شہر تھے؟ جغرافیۂ عالم میں ان کی چمک دمک اور کیسی آن بان تھی؟ کیا تشنگانِ علوم کے قافلے مشرق ومغرب سے آ کر ان سرچشمہ ہائے فکر وفن سے سیراب نہ ہوتے تھے؟ کیا ان کی حیرت انگیز ایجادات کی بنیاد پر آج کی سائنسی ترقیوں کا مدار نہیں؟ کیا ہمارے آباء کی کتابوں کا مغرب آج بھی خوشہ چیں نہیں؟

ہاں! مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کی خاک سے کیسے کیسے عظیم انسان پیدا ہوئے اور انہوں نے اپنے پیچھے تدبر و دانائی، علم وحکمت، فہم وفراست، زہد و پارسائی، کردار وعمل، اولوالعزمی و بلند خیالی، عزیمت و استقلال اور فضل وکمال کی کیسی کیسی اعلیٰ روایتیں چھوڑی ہیں جن کا شیریں تصور ہمارا سکونِ قلب، جن کی مقدس یاد طمانیت روح، اور جن کے ذکر جمیل سے ہمارے دلوں کو نئی زندگی مل رہی ہے۔ ان کے گردوں شکار کارناموں کو سن کر آج بھی دلوں کا عالم زیروزبر ہونے لگتا ہے۔

ایمان ویقین کی عظیم دولت نے انہیں عظمت واقتدار کی اتنی بلندی تک پہنچایا کہ دیکھنے والے بڑے بڑے کج کلاہوں کی ٹوپیاں زمیں پر آ گئیں۔ وہ مال دار تھے نہ بڑی طاقت وقوت رکھتے تھے، آلات حرب وضرب کی بھی کوئی فراوانی نہ تھی۔ جنگی تدابیر

بھی انہوں نے کب سیکھی تھیں۔ صرف اور صرف ایمان کی ایک بیش بہا نعمت تھی جس نے انہیں تاریخ کی بہادر اور کامیاب ترین قوم قرار دیا اور اس کی برکت سے انہوں نے رازہائے عالم کو آشکارا کیا۔ انسانی زندگی کی پیچیدہ گتھیاں سلجھائیں۔ اسی کی انہوں نے اس طرح حفاظت کی کہ خود خالق کائنات ان کا محافظ اور حامی وناصر ہو گیا۔ اور اسی کے پیچھے وہ دوڑے تو ساری کائنات ان کے پیچھے دوڑ پڑی۔ اسی کو انہوں نے اپنی متاع عزیز سمجھا تو وہ خود سب سے عزیز اور انمول ہیرا بن کر سارے عالم سے مستغنی اور بے نیاز ہو گئے؎

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

کتاب وسنت کا ایک ایک ورق گواہ ہے کہ نبی ہاشمی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت اور تمام شعبہائے حیات میں آپ کی کامل وفاداری واطاعت شعاری ہی اصلِ اسلام اور خلاصۂ ایمان ہے۔ اسی راہ پر اگلوں کا سارا سفر حیات طے ہوا ہے اور ہر موڑ سے وہ سُرخ رُو اور کامیاب گزرے ہیں۔ گردشِ دوراں خود ان سے کترا گئی اور ان کا سفر شوق جاری ہی رہا۔ دنیا اپنی پوری دل فریبی کے باوجود انہیں اپنی طرف متوجہ نہ کر سکی۔ اس نے یہ دولت چھیننے کی ہزار کوششیں کیں لیکن ہر قیمت پر انہوں نے اس انمول جوہر کی حفاظت و پاسبانی کی ہے کیوں کہ اسی سے ان کے دلوں میں تڑپ اور بازوؤں میں ہمت تھی، اور اسی کے ساتھ نظام زندگی ہی نہیں بلکہ سچ پوچھئے تو بزم ہستی کا وجود بھی وابستہ سمجھتے تھے، اور صبح وشام اس حقیقت کا وہ برملا اعلان کرتے تھے؎

نبض ہستی تپش اسی نام سے ہے
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے

لیکن اے لوگو! کیا ہو گیا آج اس سرزمین عرب کو جو کل تک ان کے نام پر مر مٹنے کو تیار تھی، جس کے بہادر اور جیالے فرزند خالد بن ولید نے رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کو اپنے تاج سر کا زرنگار ہیرا سمجھا تھا جس کی برکت سے انہوں نے نہ جانے کتنی جنگیں جیتی تھیں۔ اور حضرت امیر معاویہ جیسے مدبر سپہ سالارِ اعظم نے جن کے

ناخنِ مبارک کو اپنی آنکھوں کا نور بنانے کی وصیت کی تھی۔ جن کی محفل میں بیٹھنے کے آداب قرآن نے سکھائے کہ جب تم رسول کی بارگاہ میں حاضر ہو تو بلند آواز سے نہ بولو۔ اور صحابہ کرام اس طرح ان کے پاس بیٹھتے کان علی رؤسھم الطیر، جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔

جس مقدس منبر پر رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمایا کرتے، صحابہ کرام اسے عقیدت و محبت سے بوسہ دیا کرتے تھے اور مغیرہ بن شعبہ کی روایت کے مطابق سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی جو زمین پر گر رہا تھا صحابہ کرام اسے لے کر اپنے سروں پر ملنے کے لئے اس طرح دیوانہ وار جھپٹتے تھے جیسے اس کے لئے آپس میں جنگ ہو جائے گی اور وہ اپنی قیمتی زندگی اس پر قربان کر دیں گے۔

اے چشمِ فلک! تو ہی بتا کیا یہ واقعات اسی سرزمین کے ہیں؟ کیا عاشقوں کا یہ ہجوم اسی بستی میں تھا؟ کیا شوق و وارفتگی اور عشق و محبتِ رسول کی یہ روایتیں اسی سرزمین عرب سے وابستہ ہیں؟

اگر ہیں، اور یقیناً ہیں، یقین ہی نہیں بلکہ اس پر ہمارا ایمان بھی ہے، تو کیا ان آنکھوں کو دھوکہ ہو رہا ہے کہ عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے اور خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے یہ عرب کیا انہیں اسلاف کے اخلاف ہیں جن کی عظمت و رفعت کے ترانے پوری تاریخ انسانیت نے گائے ہیں۔ اور جن کے جلال و جمال کی پروقار تاریخیں جبینِ دہر پہ نقش ہو چکی ہیں۔

اے اہلِ عرب! خدا کی بے شمار نعمتیں تمہاری زمین پر بکھری پڑی ہیں۔ اے آلِ سعود! ایمان و اسلام کی رسی مضبوطی سے تھام لو، یہ ساری کائنات تمہارے زیرِ نگیں آ جائے گی۔ بس اپنے دل کو رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدتوں کا گہوارہ بنا لو پھر سارے جہان میں تمہاری عظمتوں کے ترانے گائے جائیں گے ۔

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
وگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

دنیا جانتی ہے کہ شاہ فیصل السعود کے عہدِ حکومت میں اہلِ عرب بالخصوص سعودی عرب

نے بے پناہ سیاسی، اقتصادی، تجارتی اور مادی ترقیاں کی ہیں اور "سیال سونے" کی نہریں بہہ پڑی ہیں۔ صنعتی ترقی کا جال پورے ملک میں پھیل چکا ہے۔ جدید عمارات، سڑکوں، ملوں اور کارخانوں کی تعمیر کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔

بائیس لاکھ ترسیٹھ ہزار پانچ سو مربع کلومیٹر میں بسنے والے تقریباً ایک کروڑ سعودی باشندوں کو آج دنیا کی تمام تر سہولیات حاصل ہیں۔ ریاض، جدہ، مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ میں دینی و عصری تعلیم کے فروغ کے لئے کئی یونیورسٹیوں میں مفت تعلیم کا انتظام ہے زراعت میں کافی ترقی ہوئی ہے۔ تمام طبی سہولیات بھی انہیں حاصل ہیں۔ محکمۂ رسل و رسائل میں انقلاب عظیم پیدا ہو چکا ہے۔ مساجد اور مذہبی درس گاہوں کی تعمیر کے لئے سعودی حکومت کی طرف سے دنیا بھر میں ہر سال اربوں روپے خرچ کئے جا رہے ہیں۔

"سیال سونا" جس کی عملی دریافت ۱۹۳۵ء میں ہوئی۔ اس کا تناسب بڑھتے بڑھتے آج دنیا بھر میں تقریباً سب سے زیادہ ہو چکا ہے۔ فیصل السعود نے جب اپنے تدبر و ذہانت کے ہاتھوں اسرائیل دوست ممالک پر "پٹرول بم" پھینکا تو ہر طرف اندھیرا چھا گیا اور ایک گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ ہالینڈ، ڈنمارک، بلجیم، اٹلی، امریکہ اور دیگر یورپین ممالک کے حلق سے چیخ نکل گئی اور ان کے ہوش و حواس جاتے رہے۔

وہ سیاسی طور پر اتحاد عالم اسلامی کے زبردست داعی تھے۔ تمام مسلم ممالک کو ایک متحدہ طاقت بنانے کے لئے انہوں نے کافی کوششیں کیں اور اس کے لئے انہوں نے مصر ۶۴ء، ایران دسمبر ۶۵ء، اردن جنوری ۶۶ء، سوڈان مارچ ۶۶ء، پاکستان اپریل ۶۶ء، ترکی اگست ۶۶ء، مراکش ستمبر ۶۶ء، گانا (وسط افریقہ) ۶۶ء، مالی ستمبر ۶۶ء، تیونس ستمبر ۶۶ء کے دورے کر کے اتحاد کی دعوت دی اور ان ممالک کی حکمراں شخصیتوں سے اہم موضوعات پر تبادلہ خیالات کیا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ مسلم سربراہان مملکت کسی نہ کسی حیثیت سے ان کی طرف مائل ہو رہے تھے۔ یہی سب بنیادی اسباب تھے کہ عربوں کو دنیا کی ابھرتی ہوئی "تیسری طاقت" کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ وہ چاہتے تو ریاض میں بیٹھ کر لندن، پیرس، برلن، ماسکو، نیویارک اور واشنگٹن کی سیاست پر بھی

اثر انداز ہو سکتے تھے اور ان کے بدلتے ہوئے تیور کی ایک ایک لکیریں یورپ کی پارلیمنٹوں میں پڑھی جاتیں۔

یہ سب کچھ صحیح ہے، لیکن دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ آخر ایمان کی کون سی کمزوری ہے اور کیا وجہ ہے کہ سامراجی طاقتوں کی نوزائیدہ ریاست (اسرائیل) تمہارے لئے عذاب مسلسل اور سوہانِ روح بن چکی ہے۔ اس کے جارحانہ حملوں نے تمہارا ناطقہ بند کر دیا۔ اپنی تمام ترقیوں اور طاقت کے باوجود ایک چھوٹی سی ریاست آخر تمہیں کیوں پائے حقارت سے ٹھکرا دے رہی ہے۔ اور تم سال بہ سال صرف مذاکرات اور کانفرنسوں کی صورت میں ایک دوسرے کے چہروں پر ذلّت آمیز اور شرمناک ناکامیوں کی داستانیں پڑھ رہے ہو۔ وہ تمہارے لئے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی تجاویز اور سفارشات کو بھی قہقہوں کی گونج میں اڑا دیتی ہے، اور تم ہو کہ اس حقارت آمیز رویّہ کے خلاف کوئی بھی دیرپا موثر اقدام کرنے سے عاجز رہ جاتے ہو۔

اب بھی اپنی بے راہ روی سے باز نہیں آتے اور اپنی آزادانہ زندگی اور عیش کوشی کے لبادوں میں لپٹے ہوئے ہو۔ تمہاری بے انتہا دولت یورپ کے بینکوں میں بیکار پڑی ہے جس سے ان کی اقتصادیات کو استحکام مل رہا ہے۔ تم اپنے وطن سے نکلتے بھی ہو تو نہ جانے کتنے عشرت کدے تمہارے وجود سے آباد ہوتے ہیں اور پھر مذموم حرکات اور لہو ولعب کا ایک طویل سلسلہ چل پڑتا ہے۔

یاد رکھو! تمہاری بیماریٔ دل کا علاج، تمہارے روحانی اور اخلاقی امراض کی شفا، نامرادیوں اور ناکامیوں کا حل نہ لندن میں ہے نہ جنیوا میں، نہ پیکنگ میں ہے نہ ماسکو میں، نہ واشنگٹن میں ہے نہ نیویارک میں۔ تم زمین کے ایک ایک ذرّے، سمندر کے ایک ایک قطرے، آسمان کے ایک ایک ستارے اور کتاب و سنت کے ایک ایک حرف سے پوچھ لو تمہارا مطلوب صرف اور صرف گنبدِ خضریٰ کی سبز چھاؤں اور مقدس جالیوں کے قریب ہے اور بس ؎

آبروئے ما ز نامِ مصطفےٰ ست

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (پ ۵-ع ۶)

ترجمہ: اور اگر وہ جب اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں۔ پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

تم "الوحدة العربية" کے نعرے لگاتے ہو اور قدیم جاہلی عصبیت کے گڑے ہوئے مردے اکھیڑتے ہو، اپنی نسلی برتری کا تمہیں غرور ہے۔ یہ تمہاری بھول اور سخت نادانی ہے۔ اگر اسلام سے تمہاری نسبت نہ ہو اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبتوں کا چراغ تمہارے دلوں میں روشن نہ ہو تو پھر دنیا میں تمہیں کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہوگا اور وحشت و بربریت، جہالت و عناد، جنگ و جدال کے اسی دورِ ظلمت میں داخل ہو جاؤ گے جس میں رہ کر تم نہایت محدود اور گمنام و بے مقصد زندگی بسر کر رہے تھے۔

سنو! یہ ہے وہ آواز جو عجم کے دُور دراز گوشوں سے نکل کر صحرائے عرب میں گونج رہی ہے ؎

محمدِ عربی سے ہے عالمِ عربی

ہوش میں آجاؤ! دیکھو اسرائیل کے توسیع پسندانہ عزائم اور جارحانہ اقدامات کیا تمہیں معلوم نہیں کہ صہیونی تحریک نے تمہارے خلاف بین الاقوامی سازشوں کا جال پھیلا رکھا ہے اور تم ہو کہ خوابِ خرگوش میں مست پڑے ہو۔ تمہاری متحدہ طاقت کو بھی آج صہیونیت کا ایک ہی حملہ پاش پاش کر دیتا ہے۔ "توریت کی ریاست" قائم کرنے کے لئے مذہبی اداروں اور علمی شخصیتوں کی خدمتیں وقف ہیں، تمہاری زمین پر اس کے قبضے، ہر جنگ میں بڑھتے جا رہے ہیں۔ سنہ ۱۹۴۸ء اور ۱۹۹۲ء کے اسرائیل کا نقشہ دیکھو تو دس گنا سے بھی زائد اسرائیلی رقبہ بڑھا ہوا نظر آئے گا۔ "عظیم ترین اسرائیل" کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے ان کی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا جا رہا ہے۔ دریائے نیل کے علاقے، بحر قلزم، سینا کا علاقہ، مملکتِ اردن، لبنان، شام، فرات اور سعودی عرب کے مغربی حصوں کو شامل کر کے "عظیم اسرائیل" کا قیام ان کی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین بن چکا ہے۔ اس منصوبہ کی تکمیل کے لئے خارجہ پالیسی اور فوجی طاقت کے اضافہ کے ساتھ اندرون اسرائیل نئی یہودی

بستیاں بسائی جارہی ہیں۔ بیسیوں لاکھ فلسطینی مہاجرین کے داخلہ پر پابندی ہی کیا کم تھی کہ اب بچ جانے والے عربوں کی نسل کشی اور صبرا و شتیلا میں ان کے قتل عام کے ہولناک مناظر سے زمین کا سینہ دہل اٹھتا ہے۔ بلڈوزر اور ڈائنامیٹ سے نہ جانے کتنی مسلم آبادیوں کا صفایا کیا جا چکا ہے اور ان کی زندگی اجیرن کی جا چکی ہے۔

کیا! اتنی ساری باتیں تمہیں راہِ راست پر لانے اور خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لئے کافی نہیں؟ کیا عراق اور لیبیا کی ناکہ بندی تمہاری آنکھ کھول دینے کے لئے کافی نہیں؟

خدا کی اس وسیع و عریض دنیا میں اس کی نعمتوں سے ہر شخص بہرہ اندوز ہو رہا ہے۔ تمہارے ہاتھوں میں تو اس وقت مرکزی طاقت ہے۔ رباط کانفرنس ستمبر ۱۹۶۹ء میں شاہ فیصل کی کوششوں سے اسلامی بینک قائم ہوا۔ ایک مستقل اسلامی سکریٹریٹ وجود میں آیا۔ فروری ۱۹۷۴ء میں اسلامی کانفرنس لاہور کی ایک اہم اور خفیہ میٹنگ میں یوگنڈا کے صدر عیدی امین نے شاہ فیصل کے لئے "خلیفۃ المسلمین" کی تجویز پیش کی جس پر بعض وجوہ کے سبب عمل نہ ہو سکا۔

لیکن بین الاقوامی سیاسی مبصرین اور مسلم دانش وروں کا کہنا ہے کہ ملک در ملک یہ سعودی امدادیں، تجویزیں، کانفرنسیں اور یہ مذاکرات ایک طرف! اگر اتحاد و اتفاق کے ساتھ "سوادِ اعظم" کے عظیم کارواں میں ہر ایک کی شمولیت ہو جائے تو پھر "پاسبانِ حرم"، "خادم الحرمین" اور "خلیفۃ المسلمین" کا اعزاز ملنا صرف چند لمحوں کی بات ہے۔ اور اگر صحتِ ایمان کے ساتھ "خیرِ امت" بن جائیں تو پھر مسلمانانِ عالم ہی نہیں بلکہ پوری دنیا انہیں اپنا قائد اور سربراہ تسلیم کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار ہے۔

والیانِ نجد و حجاز کے لئے اب بھی موقع ہے کہ وہ اپنے اعمال و افعال کا سنجیدگی کے ساتھ احتساب کریں۔ ایران کے نئے کسریٰ رضا شاہ پہلوی کے عبرتناک انجام کو شاہ فہد اپنے سامنے رکھیں اور تاریخی حقائق سے انحراف نہ کریں۔

اے اہلِ عرب! "خلافتِ ارضی" کی وراثت تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ اس دنیا میں تم بھیڑ بکریوں کی طرح زندگی کے دن کاٹنے اور خودرو پودوں کی طرح اگنے کے لئے نہیں

آئے۔ کعبۃ اللہ، مسجد نبوی اور روضۂ رسول کے ظاہری تحفظ کی ذمے داری اس وقت تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ اگر تم چاہو تو پوری کائنات انسانیت کی قیادت و امامت کے فرائض انجام دے سکتے ہو۔

یہ اُبلتے ہوئے چشمے فریبِ نظر ہیں۔ ایسے ہزاروں چشمے تو مردِ مومن کے پاؤں کی ٹھوکروں سے اُبل سکتے ہیں ؎

ہزار چشمے ترے سنگِ راہ سے پھوٹیں
خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر

کتاب و سنت کے حقیقی امین بن جاؤ تو شرق سے غرب تک کی دنیا تمہاری ایک نگاہ کیمیا اثر سے زندہ ہو سکتی ہے، اور تم چاہو تو پیاسی انسانیت کو سیراب اور آسودہ حال کر دو۔

آج انسان ہر طرف سے گرفتارِ بلا ہے۔ روحانیات اور اخلاقیات کو پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے۔ اقتصادی خوش حالی اور سیاسی برتری کے پیچھے ساری دنیا دوڑ رہی ہے۔ لادینیت اور اباحیت پسندی کا ہولناک سیلاب جدید دانش وروں کی صالح ذہنی و فکری صلاحیت کو غرقاب کئے دے رہا ہے۔ خیالات و نظریات تہہ و بالا ہو رہے ہیں۔ مغربی تہذیب کا عفریت شرم و حیا اور غیرت و ناموس کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر شارع عام پر رقص کرتا نظر آ رہا ہے۔ الحاد و مغربیت کے بادل اُمنڈ اُمنڈ کر ہر طرف منڈلا رہے ہیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ (پ ۲۱۔ ع ۸)

ترجمہ، لوگوں کے اعمال کے سبب بحر و بر میں بُرائی پھیلی کہ لوگوں کو ان کے اعمال کا اللہ تعالیٰ مزہ چکھائے گا تاکہ وہ باز رہیں۔

بنی نوع انسانی اب خدا بیزار تہذیبوں سے گھبرا گھبرا کر اسلام کے سایۂ رحمت میں پناہ لینے کے لئے مضطرب اور بے چین ہے۔ افریقہ کے بے آب و گیاہ صحرا اور یورپ کی دم توڑتی ہوئی انسانیت اب اسلام کے نظامِ رحمت اور شفاخانۂ حجاز سے اپنی زندگی اور تازہ دمی کی سوغات مانگ رہی ہے۔ نہیں بلکہ اپنا دامن پھیلائے ہوئے انتظار کی راہیں دیکھ

رہی ہے۔ تباہی کے دہانے تک پہونچ کر پیچھے پلٹنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے، لیکن اسے کوئی نجات دہندہ رہبر و راہ نما نہیں ملتا۔

اگر آج بھی تم درد و اخلاص کے ساتھ دنیا کو اسلام کا پیغام دو۔ اس تیرہ و تاریک ماحول میں ہدایتوں کا اُجالا پھیلاؤ، علم و فضل کی شمع جلا کر دنیا کو درخشندگی و تابانی کی دولت بخشو، تو پھر وہی موسم بہار پلٹ سکتا ہے، پھر خلافتِ راشدہ کی یاد تازہ ہو سکتی ہے اور ساری دنیا عدل و انصاف اور امن و آشتی کے گہوارہ میں سکون و اطمینان کا سانس لے سکتی ہے۔ صرف یقین محکم کے ساتھ عمل پیہم اور پُر سوز قلب و جگر کی ضرورت ہے۔

آج دنیا کے بیشتر حصّوں میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کی تحریک چل رہی ہے۔ اپنے تابناک ماضی کی طرف پلٹنے کے عزائم پرورش پانے لگے ہیں اور اسلامی نظامِ حیات کو عملی شکل دینے کا رجحان تیزی سے بڑھتا اور پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ ایسی شکل میں خاکِ حجاز کا نگہبان یہ مردِ مسلمان ان شاء اللہ سارے عالمِ انسانیت کی قیادت کے فرائض انجام دے سکتا ہے۔ اور اسلامی نشاۃ ثانیہ کا نقیب بھی بن سکتا ہے بشرطیکہ اپنے اندر ایمان و اخلاص کا وہی جوہر پیدا کرے جو اس کے اسلاف میں تھا اور انہیں کی فکر بلند و عظمت کردار کا حامل و امین بھی بن جائے۔

بہر حال، جو قوم اس حقیقت پر ایمان رکھتی ہے کہ یہ سارا عالم مر کر پھر ایک بار جی اٹھے گا، روح جسم سے پرواز کرے گی اور پھر پلٹ آئے گی، بھلا اس کے سامنے مستقبل سے نا امیدی کا کیا سوال پیدا ہو سکتا ہے؟ اس کا دل تو عزائم سے لبریز اور اس کی آنکھیں یقین و اعتماد سے پُر نور ہوتی ہیں۔ زبان حال اس حقیقت کا برملا اعلان کر رہی ہے کہ ؎

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نطقِ اعرابی

والیانِ نجد و حجاز کے کردار کا

تاریخی جائزہ

جزیرۃ العرب اس وقت[1] آتش فشاں پہاڑ بن چکا ہے۔ کب اور کس وقت لاتعداد انسان اس کے شعلوں کی نذر ہونے لگیں اور کون سا عرب شہر کس لمحہ انسانی لاشوں اور ڈھانچوں کا شہر بن کر گورِ غریباں کا وحشت ناک منظر پیش کرنے لگے۔ نیز خود کلمہ گو مسلمان ہی استکباری طاقتوں کی سازشوں کا شکار ہو کر اپنے مسلمان پڑوسیوں کا گلا کاٹنے لگیں۔ اس کے بھیانک تصوّر ہی سے کلیجہ منھ کو آنے لگتا ہے اور دل خون کے آنسو رونے لگتا ہے۔

عالمِ اسلام کی سب سے بڑی کم نصیبی یہ ہے کہ وہ اپنے سبھی داخلی و خارجی امور و معاملات اور سیاسی و فوجی اقدامات و معاہدات میں دوسروں کا محتاج و دست نگر بن چکا ہے اور قصر کریملین (روس)، و قصر ابیض (امریکہ) کے مکینوں کی پیشانیوں پر ابھرتی ہوئی لکیروں کو وہ اپنی قسمت کی لکیریں سمجھ بیٹھا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے اختیار و تصرف کے جنازے پیرس و لندن اور ماسکو و واشنگٹن کے قبرستانوں میں دفن ہو چکے ہیں۔ اپنی مرضی سے نہ وہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے اور نہ کوئی قدم آگے بڑھاتا ہے۔

گزشتہ ایک صدی کے بعد کے جو حالات و واقعات ہمارے سامنے ہیں وہ نہ صرف مذکورہ خیالات و احساسات کی تائید بلکہ اس شعر کی مکمل عملی تشریح بھی کرتے ہیں ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را ۔۔۔ تو دانی حسابِ کم و بیش را

---

[1] یہ تحریر نومبر ۱۹۹۰ء کی ہے اور خلیجی جنگ جنوری ۱۹۹۱ء میں شروع ہوئی۔ اس تحریر کے مشتملات و مباحث اور تاریخی احوال و واقعات کل کی طرح آج بھی نہایت پُرکشش، مفید اور حقائق و معلومات سے لبریز ہیں۔ (اختر مصباحی)

ایران عراق جنگ

تاریخ کی ستم ظریفی دیکھئے کہ وہی کویت اور سعودی عرب جو کل تک ایران عراق جنگ میں عراق کے پشت پناہ اور اس کے معاون و مددگار تھے وہ خود آج آپس ہی میں دست بگریبان ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف صف آرائی اور فوجی کارروائی کی تیاریوں میں مصروف ہیں اور تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ کا عبرت انگیز نمونہ پیش کر رہے ہیں ؎

زمینِ چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

اس خوفناک ۹ سالہ جنگ کے دوران کویت وسعودی عرب وغیرہ کے کردار پر بحث کرتے ہوئے مولانا اخلاق حسین قاسمی سابق صدر جمعیۃ العلماء دہلی لکھتے ہیں:

"ایران عراق خوں ریزی عرب قومیت اور ایران قومیت کا تصادم تھا اس غیر اسلامی جنگ کو مذہبی نعروں اور مذہبی اصطلاحوں کے سہارے لڑایا گیا۔ کفر کے فتوے نافذ کئے گئے۔

نسلی غرور کی جنگ کو اسلامی جہاد قرار دیا گیا اور اس غیر اسلامی جنگ میں عرب ترقی پسند اور اسلام پسند دونوں حلقوں نے بے دریغ سرمایہ لٹایا۔ ایران کی مذہبی قیادت نے بھی فرقہ وارانہ عقائد کے زور پر نوجوانوں میں گرمی پیدا کی۔

جنگ میں عرب قومیت کی فتح ہو گئی لیکن اس فتح کے نشے میں عراق کے بھوکے شیر کو نظر انداز کر دیا گیا جو حقیقت میں اس جنگ کا فاتح تھا۔

عیش و عشرت کی محفلیں اٹھا دی جاتیں مذہبی اداروں پر خرچ کی جانے والی زکوٰۃ اور بینک کے سود کی رقموں میں کمی کر کے اس بھوکے سپاہی کے پیٹ کی گرمی کو ٹھنڈا کیا جاتا جس کی گرمی کو بھڑکانے میں انہیں دولت مندوں کا ہاتھ تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا اور بھوکا شیر اپنے کھلاڑی ماسٹروں پر ٹوٹ پڑا۔

پھر ان سرکس ماسٹروں نے اپنی حفاظت کے لئے وہ تدبیریں اختیار کیں جن سے ظلم کی کہانی دراز ہو گئی اور خوفناک بن گئی۔ پندرہ سو برس تک رسول پاک کی آخری وصیت کے مطابق جزیرۃ العرب یہود ونصاریٰ کے قدموں سے محفوظ رہا اور آج وہ قدم اس سرزمین کو روند رہے ہیں۔"

(روزنامہ "قومی آواز" دہلی۔ ۲۴ر ستمبر ۱۹۹۰ء)

عراق وکویت انضمام

۶ر ستمبر کو دار العلوم محمدیہ دلائل روڈ بمبئی میں علماء وائمہ اہل سنت کی جو ہنگامی میٹنگ جزیرۃ العرب کے حالیہ بحران کے سلسلے میں ہوئی تھی اس نے دو درجن علماء کی جانب سے اخبارات ورسائل کے لئے یہ بیان جاری کیا تھا۔

"عراق وکویت کے موجودہ سنگین تنازعہ نے عرب اور عالم اسلام کو جس شدید ذہنی اور مذہبی کرب وبے چینی سے دوچار کیا ہے اور پوری دنیا کے امن پسند انسانوں کو جس فکر وتشویش میں مبتلا کیا ہے وہ اب مختلف طبقات وحلقوں کے درمیان غور وخوض اور بحث ونظر سے گزر کر بہت تیزی کے ساتھ جدال ومخاصمت کی حدود میں داخل ہوتا جا رہا ہے۔

کویت پر عراق کے قبضہ اور اعلانِ انضمام کے بعد عربوں کے درمیان پیدا شدہ اختلافات کا واحد حل صرف یہ ہے کہ اسے عرب لیگ اور خلیج تعاون کونسل کے ذریعہ افہام وتفہیم کی بنیاد پر نتیجہ خیز اور قابلِ عمل بنایا جائے اور ان کے پلیٹ فارم سے اس سیاسی اور سرحدی تنازعہ کو ختم کیا جائے۔

سرحدی دفاع کے لئے امریکی افواج کو دعوت دے کر سعودی حکومت نے جس عاقبت نا اندیشی کا مظاہرہ کیا ہے اور ارضِ حجاز کو امریکی مفادات کی نذر کیا ہے اس سے سارے عالم اسلام کے قلوب مجروح ہوئے ہیں، اور ہر قلبِ مومن کی یہ متفقہ ومتحدہ آواز ہے کہ سرزمین حرمین شریفین کے تحفظ کے لئے امریکی ومغربی افواج کو فوراً سعودی حکومت سے واپس کیا جائے تاکہ تقدسِ حرم کو پامال کرنے کی صہیونی سازش کو عبرت انگیز

ناکامی ونامرادی کا منھ دیکھنا پڑے اور عالم اسلام کا کھویا ہوا سکون وقرار بحال ہو سکے۔

اس موقع پر امریکی افواج کے داخلہ کے لئے یہ جواز پیش کرنا کہ سعودی عرب کے اندر عیسائی ویہودی ملازمین پہلے بھی موجود تھے۔ حد درجہ سادگی یا بے بصیرتی کی بات ہے کیوں کہ یہ عناصر پہلے مزدور اور ملازم کی حیثیت سے سعودی عرب میں موجود تھے اور اب ان کے ہمذہب عیسائیوں اور یہودیوں کا وجود مسلح فوجی کی حیثیت سے ہے جو ہزاروں میل کا فاصلہ چند ساعت کے اندر طے کر سکتے ہیں اور حدود سلطنت کے اندر جنگ کے شعلے بھڑکنے کے بعد ہر شہر اور مقدس سرزمین کو اپنا نشانہ بنا سکتے ہیں۔......

ہم علماء وائمۂ اہل سنت واضح طور پر حکومت سعودیہ عرب سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ فوراً امریکی فوج کو اپنی سرزمین خالی کرنے کا حکم دے اور سعودی عرب کو مسلح یہودیوں اور عیسائیوں کی یلغار سے محفوظ رکھ کر عالم اسلام کے جذبات کا احترام کرے"۔

کویت پر عراقی حملے کے سلسلے میں مختلف اور متضاد رائیں سامنے آرہی ہیں۔ ابھی تک دنیا کے کسی مسلم یا غیر مسلم ملک نے اس سلسلے میں عراق کی حمایت نہیں کی ہے اور نہ کوئی ملک عراق وکویت انضمام کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے۔

سیاسی حلقوں کا کہنا ہے کہ اگر اس عراقی اقدام کو حق بجانب قرار دیا جائے تو دنیا میں کوئی چھوٹا اور کمزور ملک باقی نہیں رہ جائے گا۔ ہر بڑا پڑوسی ملک کوئی نہ کوئی قدیم رشتہ ڈھونڈ کر اپنے کمزور پڑوسی ملک پہ چڑھ دوڑے گا اور ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگلنے اور اسے ہضم کرنے لگے گی۔

متعدد عرب سربراہانِ مملکت اس قسم کی تجاویز پیش کر رہے ہیں کہ کویت کا کچھ حصہ عراق کے لیے چھوڑ دیا جائے اور باقی علاقوں کو آزاد کر کے کویتی عوام کو یہ حق دے دیا جائے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے حکمراں کا انتخاب کریں۔

اس حادثہ کے نتیجہ میں سعودیہ نے جو امریکی فوج بلائی ہے اسے عالم اسلام سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ سعودیہ کے حامی ہیں وہ بھی اس سعودی اقدام پر نجی محفلوں میں اظہارِ تشویش کرتے ہیں، مگر اپنے محدود مفادات ومصالح کے تحت اس کا دفاع کرنے پر مجبور نظر آرہے ہیں۔

ایسے لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ امریکی فوج بلانے کا سبب صرف عراق ہے اور اسی کی جارحیت نے سعودی عرب کو اس اقدام پر مجبور کیا۔ اس طرح یہ حضرات سعودیہ کی خودکشی اور امریکی مگرمچھ کے سامنے حجاز کو تھالی میں سجا کر پیش کرنے کا شعوری یا غیر شعوری جواز فراہم کرنے میں بھی سرگرم ہیں۔

بہر حال! سیال سونے کے سمندر میں سعودیہ وکویت جس عیش وعشرت کے ساتھ اپنی کشتی میں موج مستی کی زندگی گزار رہے تھے وہ اب منجدھار میں ہچکولے کھا رہی ہے اور انہیں ساحل نجات تک پہنچنے کی کوئی صورت نہیں نظر آرہی ہے۔

صدام حسین وشاہ فہد کی جذباتی حمایت ومخالفت کرنے والے کچھ حضرات زندہ باد مردہ باد کے نعرے لگا رہے ہیں اور پوسٹر بازی وبیان بازی میں مسلسل اپنا وقت اور سرمایہ قربان کرنے میں بڑا سکونِ قلب محسوس کر رہے ہیں۔ حالاں کہ انہیں سنجیدگی کے ساتھ اس پہلو پر غور کرنا چاہئے کہ اس سیاسی پس منظر میں ہم جو کچھ کر رہے ہیں کہیں انہیں ایسا کوئی دھچکہ نہ لگے جس سے ان کے جذبات کی کمزور عمارت مسمار اور زمین بوس ہو جائے۔ کیوں کہ کویت پر کب تک عراق کا قبضہ برقرار رہ سکے گا؟ اور صدام حسین وشاہ فہد کو مصالحت کی میز پر آتے کتنی دیر لگے گی؟ بالخصوص ایسے حالات میں جب کہ نو سال تک خوں ریز جنگ کرنے والے ایران وعراق چشم زدن میں اپنے بیشتر اختلافات کو پسِ پشت ڈال کر امریکی فوج کے مقابلے میں ایک ہو گئے اور دنیا یہ حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین تبدیلی دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئی۔

اسی طرح کیا یہ ممکن نہیں کہ کویت کے سلسلے میں کوئی مصالحتی فارمولہ سامنے آجائے اور جس طرح "متنازعہ شط العرب" کے معاملے میں عراق نے یک طرفہ دست برداری کا اعلان کر کے ایران سے دوستی کر لی۔ اسی انداز سے "متنازعہ کویت" کا بھی کوئی حل نکل آئے؟

ساتھ ہی عراقی وسعودی حامیوں ومخالفوں کو یہ تاریخی حقیقت بھی سامنے رکھنی چاہئے کہ بیسویں صدی کے ربع اوّل میں جب حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی کی سرپرستی اور حضرت مولانا عبد الماجد بدایونی ومولانا محمد علی جوہر وغیرہم کی قیادت میں عظیم الشان

تحریکِ خلافت چلی تو ہندوستان کے نوّے فیصد مسلمانوں نے دیوانہ وار اس کی حمایت کی۔ اور امام اہل سنت حضرت مولانا احمد رضا فاضل بریلوی و حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صدر علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن شیروانی کی تنبیہ و ہدایت پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ جس کا یہ عبرت ناک نتیجہ سامنے آیا کہ ۱۹۲۴ء میں جب ترک لیڈروں نے اپنے یہاں سے خلافت کے خاتمہ کا اعلان کر دیا تو یہ تحریک نہایت حسرت و ندامت کے ساتھ جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ اور آج یہ تحریک ماضی کی تاریخ کے ایک داستانِ پارینہ کے سوا کچھ اور نہیں۔ جسے پڑھ کر افسوس بھی ہوتا ہے کہ مسلمانانِ ہند کا کتنا قیمتی سرمایہ اور ان کی عملی قوت اس بے بنیاد تحریک کی نذر ہو گئی

کہیں اسی طرح کا کوئی تصفیہ اس مسئلے کا بھی نکل آئے اور جو ہوائی قلعہ اور جذبات و خیالات کا خوشنما تاج محل چشمِ تصور کے سامنے انہوں نے سجا رکھا ہے اسے کوئی ہنگامی عرب معاہدۂ صلح آن کی آن میں پاش پاش نہ کر ڈالے؟ اور سیاستِ حاضرہ کی نیرنگی و بوالعجبی سے یہ صورتِ حال پیدا ہو جانا کچھ زیادہ بعید نہیں۔ کیوں کہ مسلم سیاست داں جب کوئی بڑا اقدام اٹھانا چاہتے ہیں تو آیت و حدیث ہی کا حوالہ دیتے ہیں اور جب کسی مرحلے میں وہ قدم روک لینا چاہتے ہیں تب بھی کتاب و سنت ہی کا نام لیتے ہیں۔ جب کوئی جنگ چھیڑنا چاہتے ہیں تو جہاد کا نعرہ لگاتے ہیں اور جب صلح کا ذہن بناتے ہیں تو امن و سلامتی کا وظیفہ پڑھنے لگتے ہیں۔ اور سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے مفادات کی صلیب پر چڑھانے کے لئے اب عام طور پر یہ مسلم حکمراں اسلام کا نام صرف گرمیٔ محفل کے لئے یا محض زیبِ داستاں کے لئے بھی استعمال کرنے لگے ہیں۔ اور ان کی ہمنوائی و پشت پناہی کے لئے "درباری علماء" کا ایک بڑا طبقہ ہر وقت اپنی عاقبت خراب کر کے اس دنیا کو سنوارنے کے لئے دست بستہ کھڑا اور ان کے ہر عمل کو مذہبی رنگ دینے پر کمربستہ اور آمادہ و مستعد رہتا ہے۔

دوسری جانب تازہ خلیجی بحران کے سلسلے میں مغربی ممالک بالخصوص امریکہ کے غیظ و غضب اور اس کی خواس باختگی کا تجزیہ کرتے ہوئے معاصر ہفت روزہ بلٹز، بمبئی لکھتا ہے:

"کویت پر عراق کے حملے اور اسے عراق میں ضم کرنے پر امریکہ کی قیادت میں مغربی ممالک بیک آواز ہو کر نہ صرف عراق کی مذمت کر رہے ہیں بلکہ ان کے طرز عمل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سراسیمہ ہو گئے ہیں جب کہ برخلاف تیسری دنیا کے بیشتر ممالک جن میں عرب ممالک بھی شامل ہیں اس ضمن میں بالکل صحیح موقف اختیار کئے ہوئے ہیں کہ یہ ایک عرب مسئلہ ہے اور اسے حل کرنے کا سب سے پہلے عربوں کو ہی موقع ملنا چاہئے۔ آخر امریکہ اور یورپی ممالک کی اس ہراسانی کی وجہ کیا ہے؟

بذاتِ خود امریکی ذرائع ابلاغ نے امریکہ کی اس سراسیمگی کی وضاحت سہل اور راست انداز میں کی ہے۔ جس کے مطابق خلیج میں امریکی مفادات ہی اس سراسیمگی کی وجہ ہیں اور امریکی مفادات سے مراد تیل اور اس میں لگا ہوا امریکی سرمایہ ہے۔ امریکی صدر کا قصر یعنی وہائٹ ہاؤس یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ عراق کے چند سو ٹینک بمشکل ۱۰۰ کلومیٹر آگے بڑھیں اور امریکی و یورپی مفادات کو جس کا فائدہ ڈکیت کی طرح وہ گزشتہ ۳۰ برس سے اٹھا رہے ہیں، مسمار کر دیں۔ ان کے نزدیک عراق کی یہ کوشش ہٹلرانہ ہے۔۔۔

بہرحال عرب ممالک کے جولات و منات دنیا کے سامنے کھڑے کئے گئے تھے وہ کویت پر عراقی حملے کے نتیجے میں سجدہ ریز ہو چکے ہیں اور مغربی ممالک کو احساس ہو گیا ہے کہ حقائق کو اب چھپایا نہیں جا سکتا حتیٰ کہ فوجی طاقت بھی یہ کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتی۔ سارے عرب ممالک کی آنکھیں کھلتی جا رہی ہیں۔ کویت کو ضم کرنے کے بعد عراق اب علاقے کے خام تیل کے ۲۵ فی صد پیداوار پر قابض ہے۔ کویت پر عراق کے حملے سے جو شدید جھٹکا عربوں کو لگا تھا اس کا اثر اب زائل ہو چکا ہے اور عرب قومیں اب صورت حال کو بھانپ چکی ہیں۔ اب عرب عوام صدام حسین کو اپنا سیاسی سماجی اور معاشی نجات دہندہ سمجھ رہی ہیں۔ صدام حسین نے اپنے اقدام سے یہ بات عربوں کو اچھی طرح ذہن نشین کرا دی ہے کہ خلیجی دولت چند ہاتھوں میں محصور ہے۔ اب عرب یہ جان لینے کے بعد حیرت زدہ ہیں کہ اگر عربوں کے خودتباہی کے رجحان کو روکا نہیں گیا تو یہ مجنونانہ کیفیت ایک سو برس تک جاری رہے گی۔ اس رجحان کا کوئی توڑ ہونا چاہئے تھا اور صدام کے اقدام نے کارگر طور پر

یہ مقصد حاصل کر لیا ہے۔

اس سے پہلے کہ اس بحران کا حل عرب آپس میں بیٹھ کر نکالتے امریکہ نے اس کوشش کو سبوتاژ کر کے رکھ دیا۔ صدر بش نے قاہرہ میں جاری عرب چوٹی کانفرنس کے فیصلے سے پہلے ہی امریکی دفاعی سکریٹری کو ریاض دوڑایا تاکہ وہ شاہ فہد کی گردن ناپ کر انہیں مجبور کریں کہ وہ امریکی افواج کو بے وجہ عراقی حملے کے خلاف "مدعو" کریں۔ یعنی آ بیل مجھے مار! بش نے اپنے یوروپی حلیفوں اور چند عرب ٹھو ریاستوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی کہ وہ یہ سب کچھ عالمی تشویش کو دور کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔"

(۲۲ ستمبر ۹۰ء ہفت روزہ بلٹز بمبئی)

درحقیقت امریکہ کے لئے یہ صورت حال ناقابل برداشت ہے کہ عراق اسے آنکھیں دکھا رہا ہے اور اس کی دھمکیوں سے بھی مرعوب نہیں ہو رہا ہے اسی لئے وہ اقوام متحدہ کو بار بار استعمال کر رہا ہے اور معاشی ناکہ بندی کی ناکامی کے بعد فوجی کارروائی کے لئے اقوام متحدہ ہی کو ڈھال بنانا چاہ رہا ہے۔

امریکہ جو خود سب سے بڑا قزاق اور دوسرے ممالک میں سازشی جال بچھانے کے علاوہ فوجی مداخلت کرنے میں بھی پیش پیش ہے اسے تشویش اس بات کی ہے کہ خلیج میں اس کی چودھراہٹ کا جنازہ نکلتا دکھائی دے رہا ہے اور اس کی اجازت و مرضی کے بغیر کیوں عراق اتنی دیدہ دلیری سے کام لے رہا ہے۔

اور پوری یہودی لابی کو یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ اگر کویت پر قبضہ کر کے عراق نے اپنی معاشیات کو درست کر لیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ مصر اور دوسرے ممالک کو اپنے ساتھ لے کر کسی روز وہ اچانک اسرائیل پر چڑھ دوڑے اور اس کا وجود ہی صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالے۔ اسرائیل اور اس کے آقا امریکہ و برطانیہ کی گھبراہٹ و بوکھلاہٹ کے پیچھے یہ ایک بڑا راز پوشیدہ ہے اور وہ کسی نہ کسی بہانے سے عراق کو سبق سکھانے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔

لیکن عراق سے ٹکر لینا بھی اب کوئی آسان کام نہیں رہ گیا ہے۔ اسے ریگستانی جنگ کا

بڑا تجربہ ہونے کے ساتھ ہی سیاسی لحاظ سے اس کے حق میں یہ بھی ایک بڑی ہمت افزا پیش رفت ہوئی ہے کہ امریکہ سے جنگ کی صورت میں ایران اس کی شاید اسی طرح پشت پناہی کرے گا جیسے ایران عراق جنگ کے دوران کویت اور سعودیہ، عراق کے معاون و مددگار تھے۔ اس کے علاوہ دوسرے بیشتر مسلم ممالک بھی عراق کے دوش بدوش امریکی سامراج کے خلاف صف آرا ہو سکتے ہیں۔ کاش اس حقیقت کو سعودیہ جلد از جلد سمجھ لے اور وہ جتنی جلد اس حقیقت کو سمجھ لے گا اتنا ہی اس کے حق میں اچھا اور بہتر ہوگا۔

المدد یا امریکہ

اس دھماکہ خیز عراقی حملے سے چونکہ سعودی عرب سب سے زیادہ متاثر ہوا اس لئے اپنی سرحدوں کے آس پاس عراقی فوج کا جماؤ دیکھ کر اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔ اس نے دل ہی دل میں المدد یا امریکہ کا وظیفہ پڑھنا شروع کیا اور امریکی فوج اپنے ایک فرماں بردار و اطاعت شعار ملک کی مدد کو دوڑ پڑی۔ حالاں کہ عراق کے حملہ سے خوفزدہ ہو کر امریکی فوج کو دعوت دینے کے عاقبت نااندیش سعودی اقدام کی مثال ایسی ہی ہے کہ کوئی شخص اپنے سامنے کسی فوجی ٹرک کو آتے ہوئے دیکھ کر بدحواسی کے عالم میں کسی گہرے کنوئیں میں چھلانگ لگا دے۔

دوسری طرف سیاسی مبصرین کا کہنا ہے کہ صدر امریکہ مسٹر جارج بش عراق کے خلاف جو معاشی ناکہ بندی کی تحریک چلا رہے ہیں اور سعودی عرب میں اپنی فوج بھیج کر عراق کو مرعوب کرنے یا اس پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس کے پس پردہ ان کا اپنا یہ مفاد کار فرما ہے کہ خلیجی ریاستیں ان کے دائرۂ اثر سے باہر نہ نکلنے پائیں اور عراق کے توسط سے روس کو اس علاقہ میں اپنے ہاتھ پاؤں پھیلانے کا موقع نہ ملنے پائے۔

سعودیہ میں امریکہ اپنی فوج بھیج کر اس کی مدد نہیں بلکہ درحقیقت اپنے اسرائیل کا تحفظ کرنا چاہتا ہے۔ اور ان کا یہ اعلان سراسر گمراہ کن ہے کہ امریکی بحری بری اور فضائی افواج سعودیہ پر عراق کے ممکنہ حملے کے دفاع کے لئے بھیجی گئی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اردن کے شاہ حسین، پی ایل او کے مسٹر یاسر عرفات، لیبیا کے کرنل معمر قذافی، ایران کے ہاشمی رفسنجانی اور دیگر بہت سے سربراہانِ مملکت نے سعودی عرب میں امریکی فوج کی موجودگی پر سخت الفاظ میں اعتراض کیا اور اس کی واپسی کا مطالبہ ہر چہار جانب سے کیا جا رہا ہے۔ بہت سے عرب ملک مثلاً اردن، یمن، سوڈان، مقبوضہ فلسطین وغیرہ میں امریکی افواج کی موجودگی کے خلاف مظاہرے ہو رہے ہیں۔ اور کویت پر عراقی حملے کی مذمت سے زیادہ اب سبھی ممالک اس مطالبہ پر زور دے رہے ہیں کہ امریکی فوج کو سعودی عرب سے فوراً واپس بلایا جائے۔

عرب عوام کو شدت سے اس بات کا احساس ہے کہ امریکہ اور مغربی طاقتیں عراق کے خلاف جو بھی اقدامات کر رہی ہیں ان کے ساتھ مسلم دشمنی اور عرب دشمنی کا جذبہ بھی شامل ہے۔ اور وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ سنہ ۱۹۶۷ء سے مغربی کنارہ اور غزہ پٹی پر اسرائیلی مظالم کو ختم کرنے کے لئے امریکہ کبھی آگے نہیں آیا بلکہ اسرائیل کی پشت پناہی اور حوصلہ افزائی کرتا رہا۔ اور وہی امریکہ آج اچانک اتنا انصاف پسند اور اصول پرست کیسے بن گیا؟

کویت چھوڑنے کی عراقی پیش کش

امریکی و برطانوی دباؤ کو دیکھتے ہوئے صدام حسین نے اپنے اس بیان کے ذریعہ ایک زبردست جوابی وار کیا کہ:

"امریکہ کی مدد سے اسرائیل نے فلسطین و شام کے جن علاقوں پر قبضہ کیا ہے اسے خالی کر دے تو عراق بھی کویت سے دست بردار ہو جائے گا"

اس حملہ سے مارگریٹ تھیچر اور جارج بش بوکھلا اٹھے اور انہیں اپنے ناپاک عزائم کے تار و پود بکھرتے نظر آئے۔ دوسری جانب کئی مسلم ممالک نے ان کے اس اعلان کا خیر مقدم کیا اور جگہ جگہ ان کی حمایت میں جلسہ و جلوس کا اہتمام کیا جانے لگا جس نے عراق و کویت تنازعہ کو ایک نیا موڑ دیا۔

کویتی بحران کو "خلیج تعاون کونسل"، "عرب لیگ" اور اسلامی وزرائے خارجہ کی میٹنگیں طلب کر کے حل کیا جا سکتا ہے۔ مگر امریکہ و برطانیہ کی غیر ضروری دلچسپی دیکھ کر ہمیں "مقدمۂ شاہ بانو" پر سپریم کورٹ کا فیصلہ یاد آ گیا اور پھر مسلمانانِ ہند کی عظیم الشان تحریک تحفظِ شریعت کے وہ مناظر ہماری نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے کہ ایک طرف تو مسلمان اپنی جان و مال کی بازی لگا کر مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کی تحریک چلا رہے تھے اور دوسری طرف ارون شوری اور بالا دیورس جیسے لوگ شاہ بانو کے غم میں آٹھ آٹھ آنسو بہا رہے تھے اور اس کی ہر طرح کی حمایت و اعانت کے لئے بے چین تھے۔

تو کیا جس طرح ارون شوری اور بالا دیورس وغیرہ "شاہ بانو" کے غم میں مگرمچھ کے آنسو بہا رہے تھے اور ان کا اصل مقصد کچھ اور تھا ٹھیک اسی طرح "سعودیہ" کے غم میں امریکہ اور برطانیہ وغیرہ دُبلے نہیں ہوئے جا رہے ہیں جن کا اصل مقصد کچھ اور ہے؟

ع نہاں پردوں میں جو ہے چشمِ بینا دیکھ لیتی ہے

برطانیہ اور آلِ سعود

اصل مسئلہ یہ ہے کہ برطانوی سامراج نے بیسویں صدی کے ربع اول میں "عرب قومیت" کا فتنہ جگا کر صہیونی منصوبہ کے تحت ترکوں کو جزیرۃ العرب سے باہر نکالا تھا جس کی گواہی اس دور کی پوری تاریخ دیتی ہے۔

حجاز مقدس سے شریف حسین کی امارت کو ختم کرنے کے لئے انگریزوں نے نجد کے سرکش قبیلہ آل سعود کو تاکا اور کرنل لارنس کے بنائے ہوئے منصوبہ کے تحت انہیں بھرپور مدد دے کر اپنی نگرانی میں سلطان عبدالعزیز کو سنہ ۱۹۲۵ء میں حرمین شریفین پر قابض کیا۔ سعودی ریال کے زیر سایہ پل کر تحفظ حرمین کی دہائی دینے والے ہندوستانی علماء شاید ان دل دوز واقعات کو فراموش کر بیٹھے ہیں جب حرم شریف کے اندر آل سعود کی گولیاں کھا کر ترک نوجوان شہید ہو رہے تھے مگر اس پاک سرزمین کے احترام میں کوئی جوابی کارروائی نہ کرنے کی گویا انہوں نے قسم کھا رکھی تھی۔ اور جب ان سے کسی نے

سوال کیا کہ آپ کے ہاتھ میں بندوقیں ہیں اس کے باوجود اس بے بسی کے ساتھ گولیاں کھا کر کیوں شہید ہو رہے ہیں ؟ تو ایک ترک مردِ مومن نے جواب دیا کہ گولیاں کھا کر مرجانا ہم پسند کرتے ہیں مگر حرمِ محترم کے تقدس پر کسی قیمت پر ہم آنچ نہیں آنے دیں گے۔

حدودِ حرم کے اندر جب آلِ سعود کا یہ حال تھا تو اس سے باہر انہوں نے قتل و غارتگری اور سفاکی و درندگی کے کیسے کیسے ہولناک کارنامے انجام دئے ہوں گے ؟

اس طرح بیسویں صدی کے ربعِ اول میں انگریزوں کے ظلِ عاطفت میں آلِ سعود نے حرمین شریفین پر قبضہ کیا۔ جب کہ آلِ سعود کے تسلط کو حجازیوں نے نہ اس وقت دل سے تسلیم کیا اور نہ آج وہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور اگر کسی شخص کو اس حقیقت سے انکار ہو تو وہ حرمین شریفین میں اس سلسلے میں استصوابِ رائے کر کے خود صورتِ حال کی تحقیق کر سکتا ہے۔

اور اب بیسویں صدی کے ربعِ آخر میں آلِ سعود نے امریکی سامراج کا دامن تھاما ہے تاکہ عالمِ اسلام کے ہاتھوں اپنا دامن تار تار ہونے سے بچایا جا سکے۔

حجاز پر صلیبی و صہیونی حملہ

اس وقت ریاض، دمام، ظہران جو علاقہ نجد میں واقع اور حرمین شریفین سے تقریباً ایک ہزار کلو میٹر دور ہیں وہاں لگ بھگ ڈھائی لاکھ[1] مسلح امریکی فوجی موجود ہیں، جن میں بعض ذرائع کے مطابق پچاس ہزار سے زیادہ اسرائیلی فوجی ریگستانی ٹریننگ کی خدمت پر مامور ہیں۔

ایک معمولی آدمی بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ یہ ڈھائی لاکھ[2] امریکی فوجیں اس وقت سعودی عرب پر ممکنہ عراقی حملہ کے دفاع کے لئے نہیں ہیں بلکہ سعودی عرب کی سرزمین سے عراق پر حملہ کرنے کے لئے تیار کھڑی ہیں۔

اور امریکہ نے اپنے شکنجہ میں سعودی عرب کو اس بری طرح جکڑ رکھا ہے کہ عالمِ اسلام

[1]، [2] جن کی تعداد بعد میں تقریباً پانچ لاکھ ہوگئی۔ اختر مصباحی

کی ناراضگی کے باوجود وہ اپنے آقا امریکہ سے اس درخواست کی جرأت نہیں کر پا رہا ہے کہ اس سے صاف صاف کہہ دے کہ اب آپ یہاں سے واپس تشریف لے جائیں کیونکہ ہم عالمِ اسلام سے فوجی امداد طلب کر کے خود اپنے دفاع کا انتظام کر رہے ہیں ؟ حالات کے تیور بتا رہے ہیں کہ سعودیہ کے لئے ایسا کوئی قدم اٹھانا اب ممکن نہیں رہ گیا ہے۔

ساری دنیا کے سیاسی و صحافتی حلقے اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ "عظیم تر اسرائیل" کے خفیہ نقشے میں "خیبر" اور "مدینہ" بھی ایک مدت سے شامل کئے جا چکے ہیں۔ اور اخباری اطلاعات کے مطابق جب سعودی دعوت پر یہودی فوجیوں نے سرزمینِ سعودیہ پر قدم رکھا تو سب سے پہلے سجدۂ شکر ادا کیا۔

اسلام کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ میں یہ پہلا حادثہ ہے جب اس بات کے مواقع یہودیوں کو میسر آئے ہیں کہ وہ براہِ راست جنگی نقطۂ نظر سے ان مقاماتِ مقدسہ کے قریب ہو کر اپنے مقاصد کی تکمیل کے امکانی راستے تلاش کر سکیں اور انہیں اپنا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا نظر آئے۔

کیا ایسے سنگین خطرات کے باوجود سعودیہ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے مفادات سے بے نیاز ہو کر محض اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے ان فوجیوں کو اماکنِ متبرکہ سے کھیلنے اور ان پر دانت تیز کرنے کے ذرائع پیدا کرتا رہے ؟

سعودی نواز علماء

سعودی عرب کے شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز سے لے کر ہندوستان کے مولانا ابوالحسن علی ندوی و مولانا منت اللہ رحمانی و مولانا اسعد مدنی وغیرہ تک ایک لمبی فہرست ایسے علماء کی ہے جنہوں نے یہ فتویٰ صادر کر دیا ہے کہ سعودی عرب کی دعوت پر امریکی فوجیوں کی آمد جائز و درست اور بالکل حق بجانب ہے۔ اور اس خدمت کے لئے آلِ سعود نے رابطہ عالمِ اسلامی کو بھی استعمال کیا ہے اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اس کے وہ سبھی مراکز مدارس اور ان کے علماء اس کے جواز کی تصدیق و تائید میں سرگرم نظر آرہے ہیں جو

سعودی ریال سے ایک عرصہ سے فیض یاب ہوتے چلے آرہے ہیں۔

سعودی نواز علماء یہ کہنے اور لکھنے کو بہت بڑا کارِ ثواب سمجھ رہے ہیں کہ صدام حسین ظالم ہے۔ محسن کش ہے۔ کویت پر عراقی جارحیت ناقابلِ برداشت ہے۔ یہ قبضہ وانضمام اسلامی اصولوں کے منافی ہے۔ جارحیت کی ابتداء عراق نے کی ہے۔ فلسطینی مسئلہ کو اس نے ٹھنڈا کردیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن یہ کلمۂ حق کہنے کی ان کے اندر جرأت نہیں کہ بلا کسی سابقہ دعویٰ و استحقاق کے علاقۂ نجد سے آکر شریف حسین کے خلاف حرمین شریفین کے اندر آلِ سعود نے بھی ۲۵-۱۹۲۴ء میں اسی طرح کی جارحیت کی تھی اور عالمِ اسلام کے زبردست احتجاج کے باوجود اس کی یہ جارحیت آج تک برقرار ہے؟

نہ وہ یہ کہہ پا رہے ہیں کہ اگر سعودیہ کو اپنے دفاع کی ضرورت تھی تو مسلم ممالک سے مدد لینی چاہئے تھی۔ اور اب وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ڈھائی لاکھ امریکن فوج کی کیا ضرورت ہے؟ اتنے دن تک حالات کے سنبھل جانے کے بعد اسے واپس کرکے اس کی جگہ مسلم ممالک کی مشترکہ فوج رکھی جانی چاہئے؟

وہ یہ لب کشائی بھی نہ کرسکے کہ سعودیہ کے اندر مسلح یہود ونصاریٰ کا وجود حجازِ مقدس کے لئے ایک سنگین خطرہ ہے۔ خدانخواستہ انہوں نے وقتی معاہدات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس کی طرف نگاہ اٹھائی تو عالمِ اسلام کا قبلہ اور حرمِ محترم بھی ان کی سازشوں کی آماجگاہ بن جائے گا اور مسلمان جو ابھی تک اپنے قبلۂ اول کو آزاد نہ کرا سکے وہ اس دوسرے بحران میں مبتلا ہو کر اپنی مرکزیت اور اسلامی شان وشوکت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

ہندوستان کے سعودی نواز علماء کے برعکس پاکستانی علماء کے موقف کا ذکر کرتے ہوئے قومی آواز دہلی نے یو۔ این۔ آئی کے حوالہ سے یہ خبر دی ہے۔

"اسلام آباد سے شائع ہو رہے ایک سرکردہ اخبار "امروز" کے مطابق لاہور میں منعقد مذہبی لیڈروں کی ایک کانفرنس میں مطالبہ کیا گیا کہ سعودی عرب میں مقدس مقامات کا تحفظ صرف مسلمان کرسکتے ہیں اور کسی غیر مسلم یا امریکی کو وہاں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

جمعیۃ علمائے اسلام اور جمعیۃ علمائے پاکستان نے سعودی عرب فوج بھیجنے کے فیصلہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ایک غیر اسلامی حرکت ہے۔ اخبار ڈان کے مطابق پاکستان پیپلز پارٹی نے بھی فوج بھیجنے پر نکتہ چینی کی ہے۔

(روزنامہ قومی آواز دہلی۔ ۵ اکتوبر ۱۹۹۰ء)

اور یو۔ این۔ آئی ہی کے حوالہ سے عالمِ اسلام کی کچھ مسلم تنظیموں کے ایک وفد کی سرگزشت پڑھئے جس سے سعودیہ کی امریکہ نوازی اور امریکی فوج سے عالمِ اسلام کی شدید نفرت یہ دونوں باتیں ایک ساتھ کھل کر ظاہر ہو جاتی ہیں۔

"اسلامی وفد کے ایک قریبی ذریعہ نے یہ بھی بتایا کہ سعودی قیادت نے امریکی افواج کی سعودی عرب میں آمد کے خلاف تنقیدوں پر سخت موقف اختیار کرتے ہوئے یہ بھی واضح کیا کہ یہ وفد جن اسلامی تحریکوں کی نمائندگی کرتا ہے اگر ان میں سے کسی نے بھی "امریکہ مخالف حملہ" کا سلسلہ شروع کیا تو سعودی حکومت "تمام لچک" ختم کردے گی۔

اس ۲۱ رکنی وفد میں اردن، مصر، یمن اور شام میں تنظیم الاخوان المسلمون کی شاخوں سوڈان کی تحریک اسلامی، تیونس کی تنظیم النہضۃ الاسلامیہ، پاکستان کی حزب اسلامی، ترکی کے رفاہ گروپ، ملیشیا کی اسلامی پارٹی اور الجزائر کی تحریک الاصلاح والارشاد کے نمائندے شامل تھے۔

بنیادی طور پر ان تمام ہی تنظیموں نے سعودی عرب میں جہاں اسلام کے مقاماتِ مقدسہ واقع ہیں، غیر مسلم افواج کی آمد کی مخالفت کی ہے۔ اس وفد کی تشکیل اردن کی راجدھانی عمان میں منعقدہ ایک کانفرنس میں ہوئی تھی۔ امریکہ نے اسے "شدت پسندوں کی کانفرنس" قرار دے کر اس کے انعقاد پر اردن حکومت کی تنقید کی تھی۔

(روزنامہ قومی آواز دہلی۔ ۵ اکتوبر ۱۹۹۰ء)

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت

بڑے زور وشور کے ساتھ ایک عرصہ سے پوری دنیا میں اس کا پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے

کہ آل سعود کی حکومت نے اپنے ہم وطنوں کی معاشی خوش حالی وفارغ البالی اور حجاج و زائرین کی آسائش وراحت کے لیے بڑے زبردست اور بے نظیر انتظامات کیے ہیں۔ وہاں کسی قسم کی کوئی پریشانی اور تکلیف نہیں۔ سب مطمئن اور پُرسکون زندگی گزار رہے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

موجودہ حالات کے تحت ہم ان "پاکبازانِ امت" سے گزارش کریں گے کہ وہ وہاں کی محبوس ومقید زندگی کا کچھ ذائقہ چکھنا چاہتے ہوں تو ذرا مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ یا طائف وجدہ کہیں بھی ۱۶ ستمبر ۱۹۹۰ء جیسی کوئی "تحفظِ حرمین کانفرنس" کرکے اس کا اندازہ کرلیں بلکہ اس کا اعلان ہی کر کے دیکھ لیں کہ اس کے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اگر وہ سعودیہ میں رہ کر ایسی "خطرناک غلطی" کریں گے تو فوراً سعودیہ بدر کردیا جائے گا اور اگر دہلی میں بیٹھ کر یہ اعلان جاری ہوگا تو انہیں جدہ یا ریاض ایرپورٹ سے آگے نہیں بڑھنے دیا جائے گا بلکہ اس سے پہلے ہی سعودی سفارت خانہ ان کا ویزا ہی نہیں جاری ہونے دے گا۔

اور یہ سب کچھ صرف اس خطرہ کے پیش نظر ہوگا کہ آج تو یہ کانفرنس ہمارے حق میں ہونے والی ہے۔ جس میں حریت فکر اور اظہار خیال کی آزادی ہوگی، لیکن کل یہی حریتِ فکر اور آزادی اظہار خیال ہمارے لیے وبالِ جان نہ بن جائے۔ اور ان کی زبان وقلم پر لگایا ہوا پہرہ کل خود ہمارے لیے سوہانِ روح بن کر ہمارے چہرے کی نقاب نہ الٹنے لگے، اس لیے ان سے ہم صرف اتنا ہی عرض کریں گے کہ ؎

اتنی نہ بڑھا پاکئ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

ماضی کے اوراق

آل سعود نے سرزمین حجاز پر اپنے اقتدار کی بنیاد رکھنے اور مستحکم کرنے کے لئے جن بدعنوانیوں، بے اصولیوں، وعدہ خلافیوں اور سفاکیوں کو روا رکھا ہے انہیں جاننے کے لیے جب ہم ماضی کے اوراق پلٹتے ہیں تو تاریخ کے صفحات یہ شہادت دیتے ہیں

کہ کتاب وسنت کے نام پر آل سعود نے اپنی دنیاداری وحکمرانی کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لئے وہ ساری تدابیر اختیار کی ہیں جو کوئی بھی غاصب اور حملہ آور فوج اپنے مفتوحہ علاقے کو زیر کرنے اور اس پر اپنا قبضہ وتسلط جمانے کے لئے جائز اور روا رکھ سکتی ہے۔

تبصرہ وتجزیہ سے آگے بڑھ کر آیئے اور دیکھئے کہ تاریخی حیثیت سے مقامات مقدسہ اور اہل حجاز کے ساتھ آل سعود نے کیسا گھناؤنا سلوک کیا ہے اور اس کا ماضی کتنا داغدار اور قابلِ مذمت رہ چکا ہے۔

طائف

علامہ سید ابراہیم الراوی الرفاعی لکھتے ہیں: "سلطان نجد نے طائف پر قبضہ کے بعد ہزاروں مسلمانوں کو تہہ تیغ کر ڈالا۔ ان مقتولین میں بہت سے علمائے کرام مثلاً سید عبداللہ الزوادی مفتی شافعیہ مکہ مکرمہ، شیخ عبداللہ ابوالخیر قاضی مکہ، شیخ مراد قاضی طائف، سید یوسف الزوادی (جن کی عمر تقریباً اسی سال تھی) شیخ حسن الشیبی، شیخ جعفر الشیبی وغیرہم ہیں۔ انہیں امان دینے کے باوجود ان کے دروازوں پر ہی انہیں ذبح کر ڈالا۔"

(ترجمہ از عربی ص ۳۔ الاوراق البغدادیہ مطبعۃ النجاح بغداد)

حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی قدس سرہ کی قیادت میں مسلمانانِ ہند نے جمعیۃ خدام الحرمین کے نام سے لکھنؤ میں جو ایک تنظیم قائم کی تھی اس نے دسمبر ۱۹۲۵ء میں نجدی مظالم کی تحقیقات کے لئے ایک وفد بھیجا جس کے ارکان یہ تھے۔ سید محمد حبیب مدیر جریدہ سیاست لاہور۔ ۲۔ مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی۔ ۳۔ عبدالعزیز تاجر دکن۔ ۴۔ مولانا فضل اللہ خاں مدیر جریدہ رسالت بمبئی۔

اس وفد نے مظالم طائف کے یہ عینی مشاہدات پیش کیے۔

"ہر شخص یہاں تک کہ خود ابن سعود اور حافظ وہبہ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ طائف میں نجدی امان کا وعدہ دے کر داخل ہوئے۔ انہوں نے شہر کو لوٹا، مسلمانوں کو امان اللہ و امان راس ابن سعود کہہ کر بالاخانوں سے اتروایا۔ جیسے ہی ان مسکینوں نے دروازے کھولے

انہیں گولی ماردی۔ عورتوں کو مجبور کیا کہ مقتول خاوند باپ بھائی اور بیٹوں کی لاشیں خود اٹھا کر باہر پھینکیں۔ جس نے انکار کیا یا صلّ علی الرسول کہا یا خاف اللہ والرسول کہا وہ خود قتل ہوئی۔"
(رپورٹ جمعیۃ خدام الحرمین)

جنّت المعلیٰ مکہ مکرمہ

خلافت کمیٹی نے اپنا جو وفد بھیجا وہ ان ارکان پر مشتمل تھا۔ ۱۔ مولانا عبدالماجد بدایونی۔ ۲۔ سید سلیمان ندوی۔ ۳۔ مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر زمین دار لاہور۔ ۴۔ مولانا محمد عرفان۔ ۵۔ سید خورشید حسن۔ ۶۔ شعیب قریشی۔

اس وفد نے مسلمانانِ ہند کو یہ اطلاع دی "مکہ میں جنت المعلیٰ کے مزارات شہید کردئے گئے۔ مولد النبی (جس مکان میں سرور دوعالم کی ولادت ہوئی تھی) توڑ دیا گیا ہے۔"
(ص ۲۳۔ رپورٹ خلافت کمیٹی)

شورش کاشمیری مدیر چٹان لاہور لکھتے ہیں۔
"جنت المعلیٰ مکہ مکرمہ کا قدیم ترین لیکن جنت البقیع کے بعد سب سے افضل ترین قبرستان ہے۔ منیٰ کے راستے پر مسجد حرام سے ایک میل دُور ہے۔ کسی قبر پر کوئی نشان یا کتبہ نہیں، سب نشانات مٹادئے گئے ہیں۔ ہر طرف مٹی کے ڈھیر ہیں، چراغ نہ پھول، عجیب ویرانہ ہے جس حصے میں حضرت اسماء، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت امام ابن جبیر اور سعید بن مسیب کی قبریں ہیں۔ وہاں اندر جانے کے لئے ایک دروازہ ہے لیکن وہ قبور پر حاضری کے لئے نہیں بلکہ نئی میتوں کے لئے ہے اور جس حصے میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور ان کے افراد خاندان آرام فرما ہیں یا حضور کے چچا ابوطالب مدفون ہیں وہاں کوئی دروازہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ ٹوٹی پھوٹی قبریں مٹی کی ڈھیریاں ہوگئی ہیں۔ کسی تودہ پر پانی کا چھڑکاؤ نہیں دھوپ کا چھڑکاؤ ضرور ہے۔ پوری دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی قبرستان بے بسی کی اس حالت میں نہ ہوگا۔"
(ص ۱۴۵ شب جائے کہ من بودم از شورش کاشمیری)

ماہر القادری مدیر فاران کراچی نے ۱۹۵۴ء میں حج سے واپسی کے بعد اپنے سفرنامہ "کاروانِ حجاز" میں لکھا۔
"جنت المعلیٰ کو دیکھ کر بڑا دکھ ہوا۔ اس میں صحابہ کرام تابعین عظام اور اکابر اولیا، آسودہ ہیں۔ حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی قبر کو چھوڑ کر ہر طرف جھاڑ جھنکاڑ اونٹوں اور دنبوں کی مینگنیاں نظر آتی ہیں۔ یہ تو ان نفوس قدسیہ کی قبریں ہیں جو ہم سب کے مخدوم اور محسن ہیں۔ عام مسلمانوں کی قبروں کے ساتھ بھی یہ سلوک جائز نہیں۔"
(بحوالہ ماہنامہ معارف دار المصنفین اعظم گڑھ جون ۱۹۷۸ء)

جنّت البقیع مدینہ منورہ

خلافت کمیٹی کے وفد ۱۹۲۶ء نے جنت البقیع کے منہدم مزارات کے بارے میں اس طرح خبر دی تھی "۲۶ مئی کو اکبری جہاز ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ اس وقت سب سے پہلے جو وحشت ناک اور جگر گداز خبر ہمیں موصول ہوئی وہ جنت البقیع اور دیگر مقامات کے انہدام کی تھی، لیکن ہم نے اس خبر کے قبول کرنے میں تامل کیا اس لئے کہ سلطان ابن سعود خلافت کمیٹی کے دوسرے وفد کو تحریری وعدے دے چکے تھے کہ وہ مدینہ منورہ کے مزارات و مآثر کو اپنی اصلی حالت پر رکھیں گے، لیکن جدہ پہونچ کر ہم نے سب سے پہلے ایک رکن حکومت شیخ عبدالعزیز عتیقی سے جب اس خبر کی حقیقت دریافت کی تو انہوں نے تصدیق کی۔"
(ص ۸۵ رپورٹ خلافت کمیٹی)

شورش کاشمیری لکھتے ہیں۔
"جنت البقیع جو خاندان رسالت کے دو تہائی افراد کا مدفن ہے، شروع اسلام کے درخشندہ چہروں کی آخری آرام گاہ اور ان گنت شہدائے کرام، صلحائے امت اور اکابرین دین کے سفر آخرت کی منزل ہے، ایک ایسی اہانت کا شکار ہے کہ دیکھتے ہی خون کھول اٹھتا ہے۔"
(شب جائے کہ من بودم)

مدینہ طیبہ کے منہدم مزارات

وفد خلافت کمیٹی نے مدینہ طیبہ کے منہدم مزاراتِ مبارکہ کی جو تفصیلات درج کی ہیں ان کی ایک مختصر فہرست دل پر ہاتھ رکھ کر ملاحظہ فرمائیں۔

ا: مزاراتِ شہزادیانِ خاندانِ نبوت: بنتِ رسول حضرت سیدہ فاطمہ۔ بنتِ رسول حضرت ام کلثوم۔ بنتِ رسول حضرت زینب۔ بنتِ رسول حضرت رقیہ۔ حضرت فاطمہ صغریٰ بنتِ حضرت امام حسین شہید کربلا۔

ب: مزاراتِ ازواجِ مطہرات:۔

حضرت عائشہ صدیقہ۔ حضرت زینب۔ حضرت حفصہ وغیرہا۔ کل نو ازواجِ مطہرات کے مزارات۔

ج: مزارات مشاہیر اہل بیت:۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ۔ سر مبارک حضرت امام حسین شہید کربلا حضرت امام زین العابدین۔ جگر گوشۂ رسول حضرت ابراہیم۔ عم النبی حضرت عباس۔ حضرت امام جعفر صادق حضرت امام محمد باقر۔

د: مزارات مشاہیر صحابہ وتابعین:۔

حضرت عثمان غنی۔ حضرت عثمان بن مظعون۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف۔ حضرت سعد بن وقاص حضرت امام مالک۔ حضرت امام نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(ص ۸۰ تا ۸۹ رپورٹ خلافت کمیٹی)

مساجد کا انہدام

مساجد کی بے حرمتی اور ان کی پامالی کے جانگداز حادثات اسی وفد خلافت کی زبانی سنئے: "اس سے بھی زیادہ افسوسناک چیز یہ ہے کہ مکہ معظمہ کی طرح مدینہ منورہ کی بعض مساجد بھی نہ بچ سکیں اور مزارات کے قبوں کی طرح یہ مساجد بھی توڑ دی گئیں۔

مدینہ میں منہدم مساجد کی تفصیل یہ ہے یہ مسجد فاطمہ متصل مسجد قبا۔ مسجد ثنایا (جہاں سرکار کے دندانِ مبارک شہید ہوئے تھے) مسجد منارتین۔ مسجد مائدہ (جہاں سورہ مائدہ

نازل ہوئی تھی) مسجد اجابہ (ص ۸۸ رپورٹ وفد)۔

انہدامِ گنبدِ خضرا کا قیامت آشوب منصوبہ

آلِ سعود کے مذہبی سرپرست شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے بارے میں شیخ احمد بن علی بصری شافعی لکھتے ہیں:

"اس کا کہنا تھا کہ اگر مجھے حجرۂ رسول (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر قبضہ وتصرف کا موقع ملے تو میں اسے ڈھادوں گا" (عربی سے ترجمہ فصل الخطاب)

نجد وحجاز سے متعلق سید محمد رشید رضا مصری ایڈیٹر المنار مصر نے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کے صفحہ ۱۱۲، ۱۱۳ پر آل سعود اور گنبد خضرا کے تعلق سے عربی میں لکھی گئی عبارت کا ترجمہ یہ ہے "کچھ مؤرخین کا کہنا ہے کہ (اہل نجد نے) انہوں نے حرم نبوی کے قبہ کے اوپر سے سونے کا ہلال اور کرہ اتار لیا تھا اور وہ قبہ بھی گرانا چاہتے تھے لیکن ان کے کارکنوں میں سے ہلال اور کرہ کو اتارنے کے لئے اوپر چڑھنے والے دو آدمی نیچے گر کر مر گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے قبہ کو ڈھانے کا ارادہ ترک کر دیا"۔

ابھی چند سال پیشتر کی بات ہے کہ جب سعد الحصین کی اس تجویز کا دنیا کو علم ہوا کہ گنبد خضریٰ کو توسیع مسجد نبوی کے موقع پر ڈھا دیا جائے یا مسجد نبوی کی تعمیر ہونے والی بلند وبالا عمارت کے حصار میں لے کر اسے چھپا دیا جائے تو ہندوپاک، بنگلہ دیش، افغانستان، ایران، ترکی، برطانیہ، عراق، شام، مصر، مراکش وغیرہ کے ہزاروں علماء وفضلاء اور جمہور امتِ مسلمہ نے اس قیامت آشوب تجویز کے خلاف عالمی پیمانے پر احتجاجات کئے۔ اپنے اپنے ملک میں سعودی سفیروں سے ملاقاتیں کیں اور زبردست غم وغصہ کا اظہار کیا حتیٰ کہ ترکی پارلیمنٹ نے اس تجویز کے خلاف ایک قرارداد پاس کر کے مسلمانانِ عالم کے جذبات کی نمائندگی کا حق ادا کر دیا۔ لیکن شاہ خالد بن عبدالعزیز جو اس وقت حکمراں تھے ان کی حکومت نے سعد الحصین کو کوئی سزا دے کر جیل خانہ تک پہنچایا نہ ہی ہفت روزہ الدعوۃ جس میں یہ تجویز چھپی تھی اس پر کوئی مقدمہ چلایا گیا۔

فاضل مدیر ماہنامہ المیزان لکھتے ہیں،

"عالی جناب غلام محمود بنات والا ایم پی نے مجھے بتایا کہ مسلم لیگ کے ایک وفد نے سعودی سفیر مقیم دہلی سے ملاقات کی اور گنبد خضریٰ کے تعلق سے مسلمانانِ ہند کی بے چینی سے آگاہ کراتے ہوئے اصل واقعہ سے آگاہی چاہی تو سفیر موصوف نے یہ کہا کہ حکومتِ سعودیہ کا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے اور یہ کہ ایسی تجویز الدعوۃ میں ایک فرد کی جانب سے شائع ہوئی ہے لیکن ہماری حکومت کے سامنے انہدام گنبد خضریٰ کا کوئی منصوبہ نہیں۔

مسلم لیگی قائد نے سعودی سفیر سے کہا کہ آپ اس بات کی تردید کردیں تاکہ مسلمانوں کو اطمینان ہو جائے۔ اس پر سفیر صاحب نے کہا، ہم تردید نہیں کرسکتے۔ ہم سفیر ہیں۔ ہم پورے ہندوستان سے آئے ہوئے احتجاجی میمورنڈم، مراسلات، برقی پیغامات سبھی حکومت سعودیہ عربیہ کو روانہ کر رہے ہیں۔ جب تک ہماری حکومت کی جانب سے حکم نہیں ملے گا ہم تردید نہیں کرسکتے۔

حکومت سعودیہ کی پُراسرار خاموشی اور سعودی سفیر کا تردید سے انکار صاف بتا رہا ہے کہ دال میں کالا ضرور ہے۔۔۔ حکمرانوں کا مزاج ہی کچھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ رائے عامہ کے خوف سے جس بات کو وہ خود نہیں کہہ سکتے اس کے لئے حمید دلوائیوں کو پیدا کرتے ہیں۔

(ماہنامہ المیزان ممبئی شمارہ مارچ اپریل ۱۹۷۸ء)

سعد الحصین کی تجویز کی اصل عبارت راقم سطور کے پاس موجود و محفوظ ہے۔ اس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

(الف) ان میں سب سے عظیم وقدیم بدعت و فتنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دونوں اصحاب (ابوبکر صدیق وعمر فاروق) رضی اللہ عنہما کی قبروں کو مسجد نبوی کے اندر داخل کرنا ہے۔

(ص ۴ ہفت روزہ الدعوۃ ۹/۸/۱۳۹۷ھ ابن خلدون روڈ ریاض)

(ب) مسجد نبوی کے مغربی حصے کی توسیع کے وقت جلد ہی اس میں تبدیلی کا موقع ملے گا اور مسجد نبوی کے پورے مشرقی حصے کی ضرورت ختم ہو جائے گی۔ جس کے بعد دورِ رسالت و خلفاء راشدین میں مسجد نبوی کے مشرقی حدود جس طرح تھے انہیں اسی طرح کردیا جائے گا اور

پھر یہ بھی ممکن ہو جائے گا کہ گنبد خضریٰ اور نقوش و چادر کو گرا کر ختم کردیا جائے یا انہیں ڈھک دیا جائے۔

(ص ۶ - مذکورہ الدعوۃ)

تجربات شاہد ہیں کہ حکومت سعودیہ کے مذہبی وعدے بھی سیاسی وعدے ہی ثابت ہوئے ہیں۔ اس لئے عالم اسلام کا یہ خوف و اندیشہ بالکل حق بجانب ہے کہ آل سعود کو جب بھی موقع ملے گا وہ گنبد خضریٰ کے تعلق سے اپنے پوشیدہ عزائم کی تکمیل میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔

واجب الایفاء وعدوں کی پامالی

وفد خلافت کمیٹی کے ارکان لکھتے ہیں،

"بہرحال حالات و واقعات کچھ بھی ہوں سلطان عبدالعزیز کے تمام حتمی اور واجب الایفاء وعدوں کے باوجود مدینہ منورہ کے تمام قبے گرا دئے گئے۔" (ص ۸۸ رپورٹ)

گنبد خضریٰ و مقامات مقدسہ کو نقصان پہنچانے کی سعودی کوششوں کی تحقیق کے لئے ایران کا ایک سرکاری وفد مدینہ طیبہ حاضر ہوا تھا جس سے ہندوستانی وفد کی ملاقات بھی ہوئی تھی۔ مولانا محمد علی جوہر اسی سلسلے میں لکھتے ہیں "معلوم ہوا کہ سلطان بن سعود نے سفیر ایران کے ذریعہ حکومت ایران کو وعدہ دیا ہے کہ اگر مکہ مکرمہ کے منہدم مقابر و مآثر کو کوئی تعمیر کرنا چاہے تو سلطان کی طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہوگی۔ امسال حج میں اس بیان کی نہایت معتبر ذرائع سے مزید تصدیق ہوئی۔ (ص ۷۰ نگارشات محمد علی)

مولانا شوکت علی کے نام سلطانِ نجد عبدالعزیز بن سعود نے یہ تار دیا تھا۔

"اسلامی مزارات اور خصوصاً صحابہ کے مزارات ہمارے لئے بہت زیادہ قابلِ احترام ہیں۔ آپ اطمینان رکھیں۔ ہماری فوجیں مقدس قوانین کی خلاف ورزی نہیں کریں گی۔"

(ص ۲۸ نگارشات محمد علی)

مآثر اسلامیہ کی تاریخی و مذہبی حیثیت

شورش کاشمیری اپنے جذبات و تاثرات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں "سعودی عرب نے

عہد رسالت کے آثار، صحابہ کرام کے مظاہر اور اہل بیت کے شواہد اس طرح مٹا دیئے ہیں کہ جو چیزیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر محفوظ کرنی چاہیئے تھیں وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر محو کر دی گئی ہیں۔ کہیں کوئی کتبہ یا نشان نہیں۔ لوگ بتاتے ہیں اور ہم مان لیتے ہیں۔ حکومت کے نزدیک ان آثار و نقوش اور مظاہر و مقابر کا رکھنا بدعت ہے۔ عقیدہ توحید کے منافی ہے۔ سنتِ رسول کے خلاف ہے۔ لیکن عصر حاضر کی ہر جدت جدہ ہی نہیں پورے حجاز میں ہے بلکہ بڑھ پھیل رہی ہے کیا قرآن وسنت کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا۔" (ص ۲۲ شب جائے کہ من بودم)

"آخر خانہ کعبہ اور مسجد نبوی بھی تو آثار ہیں۔ صفا و مروہ بھی تو شعائر اللہ ہیں۔ مزدلفہ کیوں جاتے ہیں؟ منیٰ کیوں پہنچتے ہیں؟ عرفات کیا ہے؟ جمرۃ العقبیٰ جمرۃ الوسطیٰ اور جمرۃ الاولیٰ کیا ہیں؟ آثار ہیں۔ جو رسمیں وہاں کی جاتی ہیں مظاہر ہیں۔ انہیں عقیدہ کی بنا پر محفوظ کیا گیا۔ تو یہ عقیدہ جس کی معرفت ہم تک پہنچا اور جس نے یہ ملت تیار کی۔ اس عالی شان پیغمبر کا مولد و مسکن اس کی دعوت کے مراکز و منازل اور نزول وحی کے محور و مہبط کیوں نہ محفوظ کیے جائیں؟ اس کے سانچے میں ڈھلے ہوئے انسانوں کی یادگاریں کیوں نہ باقی رہیں؟

یہ سب یادگاریں ان انسانوں کی ہیں جو تاریخ کے دھارے کو ابد الآباد تک کے لئے موڑ کر زندہ جاوید ہو گئے جن کا نام اور کام صبح قیامت تک کے لئے زندہ رہے گا۔ جن کے لئے تمام عزتیں ہیں جو حضور کے اہل بیت تھے۔ وجدان جنہیں عشق کی آنکھوں سے اب بھی چلتے پھرتے دیکھتا ہے ان کے آثار محفوظ نہ رہیں تو پھر کون سی چیز محفوظ رکھی جائے گی؟

(ص ۷۰ شب جائے کہ من بودم)

"عربوں کو جس تاریخ پر ناز ہے بلکہ جس تاریخ نے انہیں شرف بخشا وہ کعبۃ اللہ اور حرم نبوی ہیں یا پھر یہ مقام جنہیں غزوات نبی نے دوام بخشا اور کفار مکہ ڈھیر ہو گئے۔ تاریخ کے یہ پڑاؤ اس طرح نہیں رہنے چاہئیں کہ علم کے اس زمانے میں مٹ جائیں۔

آخر عرب شہزادے یورپ میں گھومتے پھرتے ہیں وہاں کیا نہیں کرتے؟ اور کیا نہیں لاتے؟ وہاں نہیں دیکھتے کہ فرانس نے اپنے بادشاہوں کی قتل گاہیں تک محفوظ کی ہوئی ہیں۔ روما نے وہ تماشا گاہ محفوظ کر لی ہے جہاں شاہانِ روم وحشت کے دور میں درندوں سے

انسان کی چیر پھاڑ کا تماشا دیکھا کرتے تھے۔ برلن میں روس نے اپنی فتح کی عظیم الشان یادگاریں قائم کی ہیں۔ انگلستان قدامت کا گھر ہے وہ اپنے شاہوں کی پرانی یادگاریں سینے سے لگائے بیٹھا ہے۔ شاہ کا محل اور وزیر اعظم کا مکان نہیں بدلا کہ اس کی پرانی تاریخ ہے جو ماضی کو حال سے ملاتی ہے۔ کیا یہ چیزیں عبادت گاہ بن گئی ہیں؟ جب ان لوگوں نے جو قرآن کے نزدیک گمراہ و معتوب ہیں، اپنے تاریخی سرمایہ کو عبادت گاہ نہیں بنایا تو مسلمان جن کی تربیت توحید و رسالت کی آب و ہوا میں ہوئی ہے۔ وہ ان آثار قدیمہ کو کیسے عبادت گاہ بنا لیں گے؟ جہاں بیت اللہ اور گنبد خضریٰ ہوں وہاں اور کون سی جگہ جبینِ نیاز کی سجدہ گاہ ہو گی؟" (شب جائے کہ من بودم)

آل سعود کے اندر اتنی تخریبی قوت کہاں سے پیدا ہوئی کہ اس نے حجاز مقدس کے مسلمانوں اور ان کے آثار مبارکہ کو تہہ و بالا کر دیا۔ اس کی نشاندہی تاریخ کے اوراق سے اس طرح ہوتی ہے۔

معاہدہ شیخ نجدی و آل سعود

مذہبی گمراہوں کی ایک جماعت قرامطہ تھی جس نے ۹۳۰ء میں مکہ مکرمہ پر قبضہ کر لیا تھا اور وہاں سے حجر اسود اٹھا لے گئے جسے بائیس سال کے بعد واپس کیا۔ تحریک وہابیت کے بانی و داعی شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی نے سب سے پہلے اسی جماعت کی باقی ماندہ نسل کا سہارا لیا۔ اس کے بعد ایک حیرت انگیز انکشاف غیر مقلدین ہند کے معتمد اور مشہور عالم و فاضل نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کی زبانی سنیے۔

"جب محمد بن عبد الوہاب نے وہابی مشن ظاہر کیا اور قرامطہ اس سے دور ہونے لگے تو اس نے (محمد) ابن سعود کے دامن میں پناہ لی۔ (محمد) بن سعود نے اس کی دعوت وہابیت کو قبول کیا اور اس کی تائید و حمایت پر کمربستہ ہو گئے۔ (محمد) بن سعود کو ابن عبد الوہاب نجدی نے یہ فریب دیا اور لالچ دی کہ وہ اسے بلادِ نجد کا حکمراں بنا دے گا۔ یہ واقعہ ۱۷۶۰ء کا ہے اور (محمد) بن سعود کی شادی ابن عبد الوہاب نجدی کی لڑکی سے ہوئی"

(ص ۳۰۰۔ التاج المکلل عربی سے ترجمہ)

مسلمانانِ ہند کی اجتماعی کوششوں کو ہمیشہ سبوتاژ کرتے رہنے والے قائدِ ملی مولانا اسعد مدنی صاحب صدر جمعیۃ العلماء ہند کے والد مولانا حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند اسی شیخ نجدی کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

"صاحبو! محمد بن عبد الوہاب نجدی ابتدا تیرہویں صدی میں نجد سے ظاہر ہوا اور چونکہ خیالاتِ باطلہ و عقائد فاسدہ رکھتا تھا اس لئے اس نے اہل سنت و جماعت سے قتل و قتال کیا۔ ان کو بالجبر اپنے خیالات کی دعوت دیتا رہا۔ ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا کیا۔ ان کے قتل کو باعثِ ثواب و رحمت شمار کرتا رہا۔ اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکالیف شاقہ پہنچائیں۔ سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی کے الفاظ استعمال کئے۔ بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ و مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔"

(ص ۴۲۔ الشہاب الثاقب)

بہر حال! زن زر اور زمین کی بنیادی دفعات پر شیخ ابن عبد الوہاب نجدی و محمد بن سعود کا معاہدہ ہوا اور اسی پالیسی پر ان کی آنے والی نسلیں بھی عمل کرتی رہیں۔

معاہدۂ برطانیہ و آلِ سعود

مغربی مورخ اسٹینلے لین پول عرب قومیت کی بنیاد پر ترکوں سے عرب کی بغاوت کے بارے میں لکھتا ہے؛

عرب میں انگریزوں نے ایک دوسرے طریقے سے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ کرنل لارنس کی برسوں کی خفیہ کوششیں آخرش بار آور ہوئیں اور عرب برطانیہ کی سرپرستی میں "عرب نیشنلزم" (قومیت) کے جوش میں ترکوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ برطانیہ کی تدابیر نے عربوں کو ترکوں کے مقابلے پر لا کر اس کے اثر کو ہمیشہ کے لئے زائل کر دیا۔

(ص ۸۷۴ سلاطین ترکیہ)

"مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے کراچی کی خلافت کانفرنس میں بھرے مجمع میں اعلان کیا تھا کہ اگر کسی وقت شریف مکہ امیر فیصل برطانیہ کے خلاف ہو جائیں تو انگریز نے حفظ ما تقدم کے طور پر ایک دوسرے پٹھو کو بھی تیار کر لیا ہے اور وہ ہے ابن سعود۔"

(ص ۱۹۲ تاریخ نجد و حجاز)

سعودی بلاک کے بین الاقوامی شہرت یافتہ عالم و مفکر مولانا ابو الحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ اس موضوع پر اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں: "قومیت پرستوں کی قیادت وہ انگریز کر رہے تھے جن کی پوری تاریخ اور جن کے خطاکار ہاتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف گھناؤنے اور مکروہ جرائم میں ملوث ہیں۔ ان علمبردارانِ قومیت نے انگریزوں سے یہ ساز باز گوارہ کر لیا مگر ان مسلم ترکوں کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا جنہوں نے پانچ صدیوں تک یورپ میں اسلام کا پرچم لہرایا اور اعدائے اسلام کو لرزہ بر اندام کر دیا تھا ترک اپنی کمزوریوں کے باوجود اسلام اور اس کی شوکت و عظمت کا نشان تھے۔ قومی نشہ میں یہ عرب اتنے مدہوش ہوئے کہ کتاب و سنت کے ان نصوصِ قطعیہ کو بھی بھول بیٹھے جن میں مسلمانوں کے خلاف اعدائے اسلام سے موالات اور ان کے ساتھ رہ کر جنگ و مقابلہ کو حرام فرمایا گیا ہے۔ انہوں نے صرف ان دل کش سیاسی وعدوں پر اعتبار کر لیا جو آئے دن بدلتے رہتے ہیں اور جس سیاسی شریعت میں مصلحت کو صحیفۂ آسمانی اور قوت کو معبود سمجھا جاتا ہے۔" (عربی سے ترجمہ ص ۹۔ العرب والاسلام مطبوعہ بیروت)

نجد کے توحید پرستوں اور برطانیہ کے تثلیث پرستوں کے درمیان ہونے والا مندرجہ ذیل معاہدہ ۱۹۱۵ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا جس کی ۱۹۲۰ء میں بھی تصدیق و توثیق ہوئی۔ چشم عبرت کھول کر یہ معاہدہ پڑھئے جسے تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کر لیا ہے۔

دفعہ اوّل: حکومت برطانیہ اعتراف کرتی ہے اور اس کو اس امر کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے کہ علاقہ جات نجد، احساء، قطیف، جبیل اور خلیج فارس کے ملحقہ مقامات جن کی حد بندی بعد کو ہو گی۔ یہ سلطان ابن سعود کے علاقہ جات ہیں اور حکومت برطانیہ اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ ان مقامات کا مستقل حاکم سلطان مذکور اور اس کے

اجداد ہیں۔ ان کو ان ممالک اور قبائل پر خود مختار حکومت ہے۔ اور اس کے بعد ان کے لڑکے ان کے صحیح وارث ہوں گے لیکن ان ورثاء میں سے کسی ایک کی سلطنت کے انتخاب و تقرر کے لئے یہ شرط ہوگی کہ وہ شخص سلطنتِ برطانیہ کا مخالف نہ ہو اور شرائط مندرجہ معاہدہ ہذا کے خلاف بھی نہ ہو۔

دفعہ دوم:۔ اگر کوئی اجنبی طاقت سلطان ابن سعود اور اس کے ورثاء کے ممالک پر حکومت برطانیہ سے مشورہ کئے بغیر یا اس کو ابن سعود سے مشورہ کرنے کی فرصت دئے بغیر حملہ آور ہو تو حکومت برطانیہ ابن سعود سے مشورہ کر کے حملہ آور حکومت کے خلاف ابن سعود کو امداد دے گی اور اپنے حالات کو ملحوظ رکھ کر ایسی تدابیر اختیار کرے گی جن سے ابن سعود کے اغراض و مقاصد اور اس کے ممالک کی بہبود محفوظ رہ سکے۔

دفعہ سوم:۔ ابن سعود اس معاہدہ سے راضی ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ،

۱۔ وہ کسی غیر قوم یا کسی سلطنت کے ساتھ کسی قسم کی گفت گو یا سمجھوتہ اور معاہدہ کرنے سے پرہیز کرے گا۔

۲۔ ممالک مذکورہ بالا کے متعلق اگر کوئی سلطنت دخل دے گی تو ابن سعود فوراً حکومت برطانیہ کو اس امر کی اطلاع دے گا۔

دفعہ چہارم:۔ ابن سعود عہد کرتا ہے کہ وہ اس عہد سے پھرے گا نہیں اور وہ ممالک مذکورہ یا اس کے کسی دوسرے حصے کو حکومت برطانیہ سے مشورہ کئے بغیر بیچنے، رہن رکھنے، متاجری یا کسی قسم کے تصرف کا مجاز نہ ہوگا۔ اس کو اس امر کا اختیار نہ ہوگا کہ کسی حکومت یا کسی حکومت کی رعایا کو برطانیہ کی مرضی کے خلاف ممالک مذکورہ بالا میں کوئی رعایت یا لائسنس دے۔

ابن سعود وعدہ کرتا ہے کہ وہ حکومتِ برطانیہ کے ہر ارشاد کی تکمیل کرے گا اور اس میں اس امر کی قید نہیں ہے کہ وہ ارشاد اس کے مفاد کے خلاف ہے یا موافق۔

دفعہ پنجم:۔ ابن سعود عہد کرتا ہے کہ مقامات مقدسہ کے لئے جو راستے اس کی سلطنت سے ہو کر گزرتے ہیں وہ باقی رہیں گے اور ابن سعود حجاج کی آمد و رفت کے زمانے

میں ان کی حفاظت کرے گا۔

دفعہ ششم:۔ ابن سعود اپنے پیش رو سلاطین نجد کی طرح عہد کرتا ہے کہ وہ علاقہ جات کویت، بحرین، رؤسا و شیوخ عرب، عمان کے ان ساحلی علاقہ جات اور دیگر ملحقہ مقامات کے متعلق جو برطانوی حمایت میں ہیں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرے گا۔ ان ریاستوں کی حد بندی بعد کو ہوگی جو برطانیہ سے معاہدہ کر چکی ہیں۔

دفعہ ہفتم:۔ اس کے علاوہ حکومت برطانیہ اور ابن سعود اس امر پر راضی ہیں کہ طرفین کے بقیہ باہمی معاملات کے لئے ایک اور مفصل عہد نامہ مرتب و منظور کیا جائے گا۔

مؤرخہ ۱۸ صفر ۱۳۳۴ھ ۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء

مہر و دستخط عبدالعزیز السعود۔ دستخط پی ریڈ کاکس وکیل معاہدہ ہذا و نمائندہ برطانیہ، خلیج فارس۔ دستخط چیمسفورڈ نائب معظم وائسرائے ہند۔

یہ معاہدہ وائسرائے ہند کی طرف سے گورنمنٹ آف انڈیا بمقام شملہ ۱۸ مئی ۱۹۱۶ء کو تصدیق ہو چکا ہے۔ دستخط اے۔ ایچ گرانٹ سکریٹری حکومتِ ہند شعبہ خارجیہ و سیاسیات۔

جمہوری اور شورائی نظام کا مطالبہ

۱۹۲۶ء میں موتمر اسلامی کا جو بین الاقوامی اجلاس ہوا اس میں وفد خلافت کمیٹی نے شخصی و موروثی نظام حکومت کی مخالفت کی اور عالم اسلام کے نمائندوں کے سامنے سعودیوں کو مخاطب کرتے ہوئے مولانا محمد علی جوہر نے کہا۔

"ہم اسی کتاب و سنت کے نام پر آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ ملوکیت چھوڑ کر جمہوریت اختیار کیجئے اور قیصر و کسریٰ کی بجائے صدیق و فاروق کی سنت اختیار کیجئے"

۳۱ مئی ۱۹۲۶ء کو مولانا جوہر نے مذکورہ اپیل کی اور پھر حجاز مقدس میں نظام حکومت کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہوئے خلافت کمیٹی نے اپنی یہ رائے پیش کی۔ "ہماری رائے ہے کہ حجاز میں کسی قسم کی بادشاہت قائم نہ ہو، حکومت کسی خاندان کے ساتھ ہرگز وابستہ نہ ہو۔ حکومت میں وراثت کا کوئی تعلق نہ ہو۔ حکومت شوری اور جمہوری ہو۔

وفد خلافت کمیٹی کی رپورٹ میں یہ تنقید بھی بالکل حق بجانب ہے۔

"موجودہ نظام حکومت کو اگر حجاز میں قائم رکھا گیا تو اس کے یہی معنی ہوں گے کہ ایک نجدی بادشاہ کی شخصی اور خاندانی حکومت اہل حجاز پر قائم ہو گئی بلکہ ایک بڑی حد تک اس کے یہ معنی بھی ہوں گے کہ ایک پوری ایسی قوم کی حکومت ایک ایسی قوم پر ہو گئی جسے حاکم قوم اپنے سے ذلیل تر (یعنی نجدی قوم حجازی قوم کو) بلکہ شرک کے عظیم گناہ کی مجرم سمجھتی ہے اور اپنے ہر فرد کو مجاز سمجھتی ہے کہ وہ محکوم قوم کے ہر فرد کو جب جی چاہے اور جس طرح چاہے سزا دے لے۔"

"ان حالات میں ہمارے نزدیک نجدی قوم کے ایک خاندان کی شخصی اور وراثتی حکومت قائم کرنا اور بھی زیادہ خرابیوں کا باعث ہوگا۔ اور شخصی و قومی تصادم کے علاوہ ہر وقت عقائد وعبادات کے تصادم کا اندیشہ بھی رہے گا۔" (رپورٹ وفد خلافت کمیٹی)

موجودہ سعودی عرب میں نجد کا علاقہ جس میں ریاض۔ دمام۔ ظہران وغیرہ اور حجاز کا علاقہ جس میں مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، طائف اور جدہ وغیرہ واقع ہیں۔ یہ دونوں علاقے اپنی آب وہوا کے لحاظ سے بالکل مختلف ہیں۔ اور دونوں کے باشندوں کی عادات وخصوصیات بھی الگ الگ ہیں۔ نجدی قوم سخت مزاج اور جنگ جو ہے جب کہ حجازی عموماً نہایت نیک دل شریف اور امن پسند ہیں۔ ریاض جو اس وقت سعودی عرب کا پایہ تخت ہے اس سے بالکل ہی متصل درعیہ ہے جو آل سعود کا آبائی وطن ہے۔ یہاں سے مدینہ تقریباً ایک ہزار کلومیٹر دور ہے اور اتنی دوری سے حرمین شریفین پر قبضہ وتسلط اور ان کے سارے امور ومعاملات کی باگ ڈور اہل نجد یعنی آل سعود کے ہاتھ میں ہونا اہل حجاز کو سخت ناگوار ہے۔ اسی لئے آئندہ سطور میں آپ پڑھیں گے کہ خود ابن سعود نے وعدہ کیا تھا کہ وہ حرمین شریفین کو اہل حجاز کے حوالے کردے گا۔ لیکن آج تک اس وعدے کی تکمیل نہ ہو سکی۔ اہل حجاز کے دلوں میں اندر ہی اندر کافی ناراضگی پائی جاتی ہے اور اس کا اظہار اس طرح وہ کرتے ہیں کہ مجلس شوریٰ کے قیام کا حکومت سعودی عرب سے مطالبہ کرتے رہتے ہیں اور حکومت اس پر غور کرنے کا وعدہ بھی کرتی رہتی ہے۔

ابھی چند سال پیشتر کی بات ہے کہ شاہ فہد بن عبدالعزیز نے مدینہ طیبہ کا دورہ کیا

اور مدینہ یونیورسٹی کے طلباء واساتذہ سے خطاب کیا۔ اس کے بعد سامعین وحاضرین کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ چاہیں تو ان سے کچھ سوالات کر سکتے ہیں۔ مدینہ یونیورسٹی کے ایک استاد جو وہیں کے باشندے بھی تھے انہوں نے سارے حاضرین کی جانب سے دس پندرہ سوالات کئے۔ جن کے جوابات شاہ فہد نے خود دئے۔ بعد میں یہ سوالات وجوابات کتابچہ کی شکل میں تقسیم بھی ہوئے اور سعودی ٹیلی ویژن پر یہ پوری کارروائی دکھائی گئی۔

ان سوالات میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ مجلس شوریٰ جس کے بارے میں حکومت کی جانب سے وعدہ کیا جا چکا ہے، اسے کب تک عملی شکل دی جائے گی؟ جس کا جواب کچھ اس طرح تھا کہ ہماری حکومت اس موضوع پر غور کر رہی ہے اور جلد ہی اس پر کارروائی ہوگی تاکہ وطن کی ہر قوم کی نمائندگی اس کے اندر ہو سکے۔

لیکن اس وقت ٹیلی ویژن دیکھنے والے لاکھوں مسلمانوں نے دیکھا کہ اس سوال پر عبداللہ بن عبدالعزیز وزیر دفاع کے چہرے پر ناگواری کے کیسے اثرات تھے اور اس وعدے کے سلسلے میں اب تک کیا پیش رفت ہوئی اسے ساری دنیا جانتی ہے۔

حجاز کے علماء وشیوخ کو حکومت سے اس بات کی بھی سخت شکایت ہے کہ حرمین طیبین کے مذہبی معاملات کی ذمہ داری بھی عام طور پر علماء نجد ہی کے سپرد ہے۔ اس کے خلاف وہ حکومت کو برابر متوجہ کرتے رہتے ہیں، لیکن آل سعود کا اثر اور اس کا خوف اتنا غالب ہوتا ہے کہ علماء حجاز کے لہجے میں بے چینی واضطراب اور احتجاج کی بجائے مسکینی وبیچارگی کا عنصر حاوی ہوتا ہے۔ مذہبی مسائل میں آل شیخ بن عبدالوہاب نجدی اور سرکاری مفتی شیخ بن باز کا حکم حجاز میں بھی چلتا ہے اور ان کے حکومتی نفوذ ورسوخ کے سامنے حرمین طیبین کے مقامی علماء وشیوخ عاجز وبے بس نظر آتے ہیں۔

اہل حجاز اور عالم اسلام کو طفل تسلیاں

۲۲ر نومبر ۱۹۲۴ء کو تار کے ذریعہ ہندوستان کی خلافت کمیٹی کے نام حکومت آل سعود نے یہ خبر بھیجی کہ سلطان عبدالعزیز نے حرم محترم کی پالیسی سے متعلق

ایک تقریر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

"آج کے بعد سے مکہ میں بجز شریعت کے اور کوئی سلطان نہ ہوگا۔ سب کی گردنیں اس کے سامنے جھکیں گی۔ چوں کہ اس مسئلہ سے جملہ مسلمانانِ عالم کا تعلق ہے اس لئے وہاں کی پالیسی دنیائے اسلام کی پالیسی کے مطابق ہوگی۔ ہم جملہ مسلمانانِ عالم کے نمائندگان کی ایک کانفرنس مکہ میں منعقد کریں گے۔ اور اس مسئلے پر رائے دی جائے گی جس سے بیت اللہ شریف گناہوں سے پاک رہے اور حجاج کو حرمین شریفین کے سفر میں امن و عافیت نصیب ہو۔"

(ص ۲۴۷ تاریخ نجد و حجاز)

مسلمانانِ ہند کی نمائندگی کرتے ہوئے خلافت کمیٹی کے وفد نے بھی آل سعود سے یہی مطالبہ کیا تھا۔

"مسلمانانِ ہند چاہتے ہیں کہ حجاز میں شرع اسلامی کے اصولوں کے مطابق جمہوری حکومت قائم کی جائے جس میں حجاز کی اندرونی آزادی کو پورے طور پر قائم رکھتے ہوئے تمام وہ مسائل جو حجاز کی اسلامی مرکزی حیثیت سے رکھتے ہیں۔ مسلمانانِ عالم کی مرضی اور مشورہ سے طے ہونے چاہئیں۔"

اور خلافت کمیٹی ہی کی تجویز پر ابن سعود نے موتمر اسلامی کا جو اجلاس طلب کیا اس کا دعوت نامہ ابن سعود کی جانب سے دسمبر ۱۹۲۴ء میں خلافت کمیٹی کے نام اس حلفیہ بیان کے ساتھ بھیجا۔

"اور میں خدائے برتر کی قسم کھا کر جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، کہتا ہوں کہ میرا مقصد حجاز پر تسلط یا حکومت کرنا نہیں ہے۔ حجاز میرے ہاتھوں میں اس وقت تک امانت ہے جب تک کہ اہل حجاز خود اپنے میں سے ایسے حاکم کا انتخاب نہ کرلیں جو عالم اسلام کی بات سننے والا اور ان اقوام اسلامیہ اور طبقات ملیہ کے زیر نگرانی رہے جنھوں نے اپنی غیرت ملیہ اور حمیت دینیہ کا ثبوت بہم پہنچایا ہے مثلاً ہندوستانی مسلمان۔"

لیکن ہوا یہ کہ اہل حجاز و عالم اسلام کی خواہش و مرضی اور اپنی قسموں اور وعدوں کی گردن مروڑتے ہوئے ۸ جنوری ۱۹۲۶ء میں ابن سعود نے آل سعود کی بادشاہی اور خاندانی حکومت کا اعلان کرکے پوری دنیا کو حیرت زدہ کردیا۔

مسلکی آزادی کی تجویز

۱۹۲۶ء میں موتمر اسلامی نے یہ تجویز پاس کی تھی۔

"حقیقت یہ ہے کہ علماء نجد بظاہر اس کے دعویدار معلوم ہوتے ہیں کہ شریعت حقہ کا علم انہیں کو حاصل ہے اور یہی نہیں کہ ان کا مذہب مذاہب اربعہ سے بہتر ہے بلکہ علمائے نجد کو وہ علمائے احناف سے بہتر بھی جانتے ہیں۔ انہیں حالات سے مجبور ہوکر ہم نے بمشورہ جمعیت جمعیۃ العلماء موتمر میں ایک تجویز پیش کی تھی کہ تمام مذاہب اسلامیہ کے متبعین کو ارض پاک حجاز میں عبادات مناسک اور اعمال میں آزادی حاصل ہونی چاہئے اور کسی کو مجبور نہ کیا جائے کہ کسی چیز پر جو اس کے مذہب میں جائز ہے عامل نہ ہو یا کسی چیز پر جو اس کے مذہب میں جائز نہیں عمل کرے۔ اور کس مذہب میں کیا چیز داخل ہے اور کیا نہیں اس کا فیصلہ صرف اسی مذہب کے علماء مستند و معتبر کریں اور دوسرے مذہب کے علماء اس میں مداخلت نہ کریں۔ گو یہ تحریک بالآخر منظور ہوئی لیکن اس پر سخت مباحثہ ہوا اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ نامزدگان سلطان کو بہ طیبِ خاطر قبول نہ تھی۔" (نگارشات محمد علی)

حجاز کانفرنس لندن ۱۹۸۵ء میں بھی یہی بات کہی گئی کہ

"سعودی عرب میں مسلمانوں کے مذہبی تحفظ کا مسئلہ صرف سعودی عرب کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ بین الاقوامی سطح کا مسئلہ ہے۔ صرف طاقت کے بل پر نجد کے قاضیوں کا نظریہ ہم پر مسلط نہیں کیا جاسکتا۔"

رابطہ اسلامی یا موتمر اسلامی

حرمین شریفین پر قبضہ و تسلط سے پہلے اور اس کے بعد بھی ایک مختصر مدت تک ابن سعود و ارکانِ دولت عالم اسلام اور اہل حجاز کو یہ سبز باغ دکھاتے رہے کہ حجاز کے انتظامی معاملات اہل حجاز کے ہی ہاتھوں میں ہوں گے اور مذہبی مسائل کی انجام دہی کے لئے ایک موتمر اسلامی تشکیل دی جائے گی جس میں مسلمانانِ عالم کی موثر و قابل قبول نمائندگی ہوگی۔

لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ موتمر اسلامی کے آغاز کے ساتھ ہی اس کے انجام کا بھی سعودی حکومت نے انتظام کردیا۔ کیوں کہ "جی حضوری" اور "سب خیریت ہے" کی پالیسی پر چلتے رہنے کا اس نے کوئی فکری یا عملی ثبوت نہیں دیا۔

اس کے لئے ایک لمبی مدت تک سکوت و توقف اور کافی غور و خوض کے بعد آل سعود نے رابطہ عالم اسلامی کو وجود بخشا اور اس میں ایسے علماء و فضلاء کو رکنیت دی گئی جو سعودی فکر و مزاج سے بہت حد تک ہم آہنگ ہوں۔ سارے ارکان رابطہ عالم اسلامی کو یہ الزام دینا تو غلط ہوگا کہ وہ سعودیہ کی ہر بے جا بات کو بسر و چشم قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن اس کی بہت سی قابل اصلاح باتوں کو بھی مسلسل نظر انداز کرتے رہنے سے اس الزام کو تقویت ضرور پہونچتی ہے کہ وہ سعودیہ کے مخصوص افکار و خیالات یا اس کے سیاسی اغراض و مقاصد کے شکار ہوتے رہتے ہیں۔ غالباً وہ کوئی کلمۂ حق کہنے سے اس لئے گریز کرتے ہوں گے کہ اس بین الاقوامی تنظیم کی رکنیت کا اعزاز ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ چنانچہ کئی سال پہلے ریاض یونیورسٹی کے ایک ہندوستانی طالب علم جو اپنی مدتِ تعلیم ختم کرکے ہندوستان آچکے ہیں، انہوں نے مجھے بتایا کہ ایک بار رابطہ عالم اسلامی کا اجلاس ہو رہا تھا جس میں ایک معزز رکن رابطہ تقریر فرما رہے تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کے مسائل کو موضوعِ گفتگو بنانے کی بجائے وہ جلالۃ الملک کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے تھے۔ ایک معتمد مصری رکن اس صورت حال سے سمجھوتہ نہ کر سکے اور انہیں ٹوکتے ہوئے یہ کہہ دیا: "برائے مہربانی آپ اس وقت در پیش دینی و ملی مسائل پر اظہار خیال فرمائیں۔ جلالۃ الملک کی ثنا خوانی کسی اور وقت کر لیجئے گا۔" چنانچہ انہیں اس جرأت و جسارت کی یہ سزا ملی کہ چند گھنٹوں کے اندر ہوائی جہاز پر سوار کراکے سعودی عرب سے رخصت کر دیا گیا اور رابطہ کی رکنیت بھی ہمیشہ کے لئے ختم کر دی گئی۔

ہندوستان میں رابطہ عالم اسلامی کی رکنیت کا شرف مولانا ابو الحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کو حاصل ہے۔ کامیاب نمائندگی عالم گیر دعوتی دورے بہترین علمی و تصنیفی خدمات اور اعلیٰ کارکردگی کے صلے میں سعودی حکومت انہیں اپنے انٹرنیشنل فیصل ایوارڈ سے سرفراز

کر چکی ہے۔

اعتراف و احتساب

راقم سطور پانچ چھ بار زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہو چکا ہے اس لئے اس اعترافِ حقیقت میں کوئی تامل نہیں کہ موجودہ سعودی حکومت نے دورِ جدید کی حیرت انگیز سہولتوں کا گویا پورے حرمین طیبین میں ایک جال بچھا دیا ہے۔ ایرکنڈیشنڈ ہوٹلوں، بلڈنگوں کشادہ سڑکوں، برق رفتار گاڑیوں، برقی قمقموں، متنوع و لذیذ غذاؤں اور ٹھنڈے پانی کے نلوں نے انہیں آرام و راحت کے ایسے شہر میں تبدیل کر دیا ہے جس کا آج سے ایک صدی پیشتر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور مختصر الفاظ میں اس بات کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس عہد حکومت سے پہلے یہ وسائل و سہولیات زائرین و حجاج کو تاریخ کے کسی دور میں بھی حاصل نہیں تھیں اور یہ ترقی یافتہ تعمیری خدمات عہد سعودی کو دوسرے بہت سارے ادوار و عہود سے ممتاز کرتی ہیں۔

لیکن ان تمام مادی آسائشوں کے اعتراف کو چیلنج کرتے ہوئے ہمارا ایمانی ضمیر ہم سے سوال کرتا ہے کہ ہزاروں مقامات مقدسہ و مآثر اسلامیہ کے ساتھ اس سعودی حکومت نے کیا سلوک روا رکھا؟ رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد و مسکن کو اس نے کیوں مٹایا؟ مہبط وحی الٰہی کو کیوں بے نام و نشان کیا؟ مولد فاطمہ زہرا کو کیوں مسمار کیا؟ دار ارقم کو کیوں زمیں بوس کیا؟ کئی ایک مساجد متبرکہ کو نیست و نابود کیوں کیا؟ صحابہ کرام، اہل بیت اطہار اور امہات المومنین کی قبریں کیوں توڑیں؟ جنت المعلیٰ اور جنت البقیع کو کھنڈر کیوں بنایا؟ مشاہد و آثار کی بے حرمتی اور ان کی پامالی کا بیڑہ کیوں اٹھایا؟ کیا یہ چیزیں قابلِ احترام اور لائقِ توقیر نہ تھیں؟ اور کیا یہ چیزیں شعائر اللہ میں داخل نہیں؟ جن کی حفاظت ہی نہیں بلکہ تعظیم کا حکم خود خالقِ کائنات نے اس طرح دیا ہے وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (الحج-۳۲) اور جو شعائرِ الٰہی کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

تاریخ کا دفترِ احتساب جب کھلے گا اور آلِ سعود کا یومِ حساب آئے گا تو دنیا اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھے گی کہ مادی آسائشوں کے یہ سارے زرنگار تاج محل زمیں بوس ہو جائیں گے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے اس نے مآثرِ اسلامیہ اور شعائر اللہ کو تہ و بالا کر کے عالمِ اسلام کے قلوب کو مجروح اور زیر و زبر ڈالا ہے۔ تعمیر کی یہ رنگا رنگی اس کے تخریبی کرتوتوں پر پردہ نہیں ڈال سکتی اور جس عمارت کی بنیاد ٹیڑھی اور غلط ہو وہ سر بفلک ہو جائے جب بھی اس کی کجی کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

ٹیکس کے خلاف احتجاج

پچاس سال سے زائد عرصے سے عالمِ اسلام ان ٹیکسوں کے خلاف احتجاج کر رہا ہے جو زائرین و حجاج پر سعودی حکومت نے عائد کر رکھا ہے۔ ۱۹۴۶ء میں مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی و مولانا عبد الحامد بدایونی نے ایک وفد کی قیادت کرتے ہوئے ابن سعود سے براہ راست ٹیکسوں کے سلسلے میں گفتگو کر کے انہیں ختم کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ چنانچہ مولانا عبد الحکیم شرف قادری لکھتے ہیں:

"۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۶ء میں حضرت مولانا عبد العلیم صدیقی قدس سرہ رابطہ اسلامیہ سنگاپور کے رئیس وفد اور ملایا، شرقی و جنوبی افریقہ اور جزائر شرقیہ کے مندوب کی حیثیت سے سعودی عرب تشریف لے گئے اور سعودی حکومت کی طرف سے حجاج پر عائد کردہ ٹیکسوں کے خاتمہ اور حجاج کے لئے سہولتیں فراہم کرنے کے لئے دنیا بھر سے آئے ہوئے اجلۂ علماء حکومتِ سعودیہ کے عمائدین اور عبد العزیز بن سعود سے مذاکرات کئے جن کا خاصا اثر ہوا۔ ان مذاکرات کی تفصیل البیان کے نام سے عربی میں شائع ہوئی تھی جس کے آغاز میں الاخوان المسلمون مصر کے بانی حسن البنا نے ابتدائیہ لکھا اور حضرت مولانا شاہ محمد عبد العلیم قدس سرہ کی مساعی جمیلہ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔" (ص ۲۳۹ تذکرۂ اکابر مطبوعہ لاہور)

حجاز کانفرنس (۱۹۸۵ء لندن) نے بھی ایک قرارداد کے ذریعہ مطالبہ کیا کہ سعودی حکومت حاجیوں سے لینڈنگ ٹیکس، معلم ٹیکس اور مدینہ کے سفری ٹیکس کے نام پر جو رقوم حاصل کرتی ہے وہ قرآن کریم کی متعدد آیات کی رُو سے قطعاً حرام اور ممنوع ہے اس لئے اسے فوراً بند کیا جائے۔

امکانی اتحاد کی نجات دہندہ راہ

مظالم ابن سعود و اہل نجد کی دردناک داستان کرتے ہوئے حجاز کانفرنس لندن ۱۹۸۵ء میں مولانا شاہ احمد نورانی صدر جمعیۃ العلماء پاکستان نے فرمایا:

"اس طویل مدت میں جتنی مسجدیں شہید ہوئیں جتنے مزارات منہدم کئے گئے۔ جتنی مقدس یادگاروں کو نیست و نابود کیا گیا اور اسلاف کی مذہبی روایات پر جس طرح ظلم و جبر کے ساتھ پابندیاں عائد کی گئیں یہ ایک ایسی دردناک تاریخ ہے جو صرف خونِ جگر سے لکھنے کے قابل ہے۔ چودہ سو برس کے مقدس اثاثے کو برباد کرتے ہوئے سعودی حکومت نے ذرا بھی محسوس نہیں کیا کہ وہ دنیا کے نوّے کروڑ مسلمانوں کے خرمنِ حیات میں آگ لگا رہی ہے۔"

اس کے بعد پوری ذمہ داری کے ساتھ بڑے ہی فیصلہ کن انداز میں آپ نے ارشاد فرمایا:

"سعودی حکومت اگر دو بنیادی باتوں پر اتفاق کرے تو آج بھی عالمِ اسلام کے اتحاد کی راہ نکل سکتی ہے اور کروڑہا مسلمانوں کی بے چینیوں کا ازالہ ہو سکتا ہے۔

۱۔ پہلی بات یہ کہ حجازِ مقدس تمام دنیا کے مسلمانوں کا مذہبی و روحانی وطن ہے۔

۲۔ اور دوسری بات یہ کہ کتاب و سنت کی روشنی میں مسائل و احکامِ حج کے استخراج کا حق نجدی علماء کے علاوہ دیگر علماء اسلام کو بھی ہے۔

اور اگر یہ اہل نجد پہلے ہی کی طرح سارے عالمِ اسلام پر شرک کا الزام لگاتے رہیں گے تو پھر حالات کی ابتری اور اس سے پیدا ہونے والے نتائج کے وہ خود ذمہ دار رہیں گے انہیں چاہیے کہ وہ سابقہ رویہ میں تبدیلی پیدا کریں اور ندامت و شرمساری کے احساس کے ساتھ رجوع الی الحق کا دروازہ کھٹکھٹائیں اور مندرجہ بالا و مندرجہ ذیل حقائق کی روشنی

میں اپنے داغدار دامن کی تنظیف وتطہیر کا سامان کریں۔

اہلِ حجاز فرعون وہامان کی طرح؟

اہلِ نجد کی مخصوص ذہنیت کا ذکر کرتے ہوئے قاضی شوکانی یمنی لکھتے ہیں،

"ان کا خیال ہے کہ جو مسلمان فرماں روائے نجد کے زیرِ تصرف اور اس کا تابع فرمان نہ ہو وہ اسلام سے خارج ہے" (ترجمہ از عربی ص ۵۔ البدر الطالع جلد دوم)

اور شیخ نجدی واہلِ نجد کے عقائد کے باب میں مولانا حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک،

"جملہ اہلِ عالم وتمام مسلمانِ دیار کافر ومشرک ہیں۔ ان سے قتل وقتال کرنا، ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال وجائز بلکہ واجب ہے"

(ص ۴۳۔ الشہاب الثاقب مطبوعہ دیوبند)

نجد کے قاضی نے حرمین طیبین کے علماء ومشائخ اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔ یا اهل الحجاز! انتم اشد کفرا من هامان و فرعون۔ نحن قاتلناکم مقاتلة المسلمین مع الکفار۔ (ص ۸۵ رپورٹ وفد خلافت کمیٹی)

اے اہلِ حجاز! تمہارا کفر فرعون وہامان سے بڑھا ہوا ہے۔ ہم نے تمہارے ساتھ اس طرح جنگ کی جیسے مسلمان کافروں سے جنگ کرتے ہیں۔

"نجدیوں کی گزشتہ صدی کی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ ان کے ہاتھ کفار کے خون سے کبھی نہیں رنگے گئے جس قدر خوں ریزی انہوں نے کی ہے وہ صرف مسلمانوں کی ہے"

(ص ۱۰۵ رپورٹ خلافت کمیٹی)

جامع مسجد دہلی کا فیصلہ

آلِ نجد وآلِ سعود کتاب وسنت کے علم اور ان پر عمل کا ساری دنیا میں جو پروپیگنڈہ کرتے ہیں اس کی اصل حقیقت کی نقاب کشائی کرتے ہوئے جامع مسجد دہلی میں مولانا

محمد علی جوہر نے ہزاروں مسلمانوں کے جمِ غفیر میں اپنا یہ فیصلہ سنایا تھا۔

"میں خدا کے گھر میں بیٹھا ہوں اور اس کو حاضر وناظر جان کر کہتا ہوں کہ مجھے ابن سعود سے ذاتی عداوت نہیں۔۔۔ نہ میری مخالفت ذاتی غرض پر مبنی ہے۔ جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہی کہوں گا اور صاف صاف کہوں گا خواہ اس سے کوئی جماعت خوش ہو یا ناخوش۔

سلطان ابن سعود اور ارکان حکومت بار بار کتاب اور سنتِ رسول اللہ کی رٹ لگاتے تھے۔ لیکن میں نے تو یہ پایا کہ انہوں نے کتاب اللہ اور سنتِ رسول کو دنیا کمانے کا آلہ بنا رکھا ہے۔ جو لوگ ڈاکہ ڈالتے ہیں، چوری کرتے ہیں، برا کرتے ہیں، لیکن جو لوگ قرآن وحدیث کو آڑ بنا کر دنیاوی حکومت حاصل کرتے ہیں وہ چوروں ڈاکوؤں سے بھی برا کرتے ہیں"

(ص ۹۵-۹۶ مقالات محمد علی جلد اول)

قولِ فیصل

ایک ملاقات (بتاریخ ۱۹۲۶ء) میں سلطان ابن سعود نے سید سلیمان ندوی، مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی جوہر، مفتی کفایت اللہ دہلوی نیز ارکان جمعیۃ علمائے ہند سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔

"ہم مسلمانانِ ہندوستان کے نہایت ممنون ہیں اور یقین جانیے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں میں صرف ہندوستان ہی کے مسلمانوں پر میں بھروسہ کر سکتا ہوں کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ ان کی تمام کوششیں بے غرضانہ ہیں اور ان کا دل اور زبان ایک ہے"

(ص ۲۸۶ تاریخ نجد وحجاز)

آج تقریباً اسی سال گزرنے کے بعد بھی حالات جوں کے توں ہیں اس لئے اپنی جانب سے کچھ کہنے کی بجائے بہتر یہی ہے کہ پرانے آئینہ کا استعمال کیا جائے اور قولِ فیصل کے ساتھ عالمِ اسلام کے دیرینہ مطالبات کا اعادہ کر دیا جائے۔

اہلِ نجد اہلِ حجاز پر بزورِ شمشیر حکمراں ہیں۔ حالاں کہ اہلیت ولیاقت کے لحاظ سے اہلِ حجاز اہلِ نجد پر ہر طرح فائق ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد علی جوہر کا تجزیہ ہے۔

"حجاز کے لوگوں میں انتظامِ ملکی کی کافی اہلیت معلوم ہوتی ہے اور کم از کم نجدیوں سے زیادہ حکومت حجاز چلانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ہمیں نجدیوں میں اہل حجاز سے بہتر کوئی شخص حجاز پر حکومت کرنے کا اہل نظر نہیں آتا۔ بلکہ اہل حجاز کو ہم نے اہل نجد سے کہیں زیادہ اس کا اہل پایا ہے۔" (۲۱۵ نگارشات محمد علی)

حجاز کو اہل حجاز کے ہاتھوں سپرد کرنے کے مسئلہ میں ابن سعود وارکانِ حکومت جب لیت ولعل سے کام لینے لگے اور تشکیل حکومت حجاز کے سلسلے میں ان کے عزائم کھل کر سامنے آئے تو مفتی کفایت اللہ دہلوی (صدر جمعیۃ علماء ہند) نے ۱۹۲۶ء میں سلطان ابن سعود کے ایک تار کے جواب میں یہ لکھا تھا:

"عظمۃ السلطان عبد العزیز مکہ مکرمہ! آپ کا تار پہنچا۔ دعوت کا شکریہ جمعیۃ علماء اپنے مندوب بھیجنے کو تیار ہے مگر جمعیۃ علماء ادب کے ساتھ عرض کر دینا چاہتی ہے کہ اسلام کے مرکز کو ہمیشہ کے لئے وسائسِ اجانب (غیروں کی ریشہ دوانیوں) سے مامون کرنے اور تمام عالم اسلام کو اس کی حفاظت کا ذمہ دار بنانے کے لئے تشکیل حکومت حجاز کا اہم مسئلہ زیر بحث آنا ضروری ہے۔" محمد کفایت اللہ (ص ۲۵۵ تاریخ نجد وحجاز)

اور ایک ملاقات (بتاریخ ۲۸ مئی ۱۹۲۶ء) میں سید سلیمان ندوی، مولانا شوکت علی مولانا محمد علی جوہر و مفتی کفایت اللہ دہلوی وغیرہم نے سلطان ابن سعود سے کہا تھا۔

"اس وقت ضرورت ہے کہ تمام مسلمان متحد و متفق ہوں۔ نہ یہ کہ ان میں مذہبی اختلافات پیدا کئے جائیں۔ آپ نے مآثر اور قبوں اور مزارات کے انہدام کا جو طرز عمل اختیار کیا ہے اس کا نتیجہ ہوگا کہ تمام مسلمانوں میں نئے سرے سے عقائد کی خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔۔۔ اس طرز عمل سے جو آپ اختیار کر رہے ہیں ہماری قوتیں دوبارہ منتشر ہو جائیں گی اور تمام دنیائے اسلام خانہ جنگیوں کی دوسری مصیبت میں گرفتار ہو جائے گی۔

علاوہ ازیں یہ تمام مسلمانوں کا مشترکہ حرم ہے۔ یہاں کوئی فرقہ اس بات کا حق نہیں رکھتا کہ وہ صرف اپنے خیال کے مطابق اس حرم اور آثار متبرکہ اور مقابر و مشاہد میں ایسا

تصرف کرے جو دوسرے فرقوں کے نزدیک صحیح نہیں۔ ہم کسی صورت میں یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ مذہب اسلام کے اہم مسائل کا فیصلہ صرف نجد کے چند علماء کے ہاتھوں میں دے دیں۔"

(ص ۲۸۶ تاریخ نجد وحجاز)

مختصر الفاظ میں ان ساری باتوں کو اس طرح سمیٹا جاسکتا ہے کہ خالص حجازی لَے سے آراستہ اس نغمۂ ہندی کا اصل مطلوب و مقصود صرف یہ ہے کہ ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

بیت المقدس کی بازیابی کے مطالبہ سے پہلے ۲۵-۱۹۲۴ء سے مسلمانانِ عالم یہ مطالبہ کرتے چلے آرہے ہیں کہ حجاز مقدس سے آل سعود کی خاندانی حکومت ختم کی جائے اور مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ کے انتظامی معاملات حجازیوں کے سپرد کئے جائیں اور مذہبی امور و فرائض کی نگہداشت کا ذمہ دار عالم اسلام کی ایک منتخب مجلس شوریٰ کو بنایا جائے۔

ایسے سنگین حالات میں ہم ذرائع ابلاغ اور عالمی رائے عامہ سے اپیل کریں گے کہ وہ خلیج اور عالم عرب کے اندر پائدار امن کی تلاش میں زیادہ تاخیر سے کام نہ لیں اور ایک عرصہ سے کئے جانے والے ان مطالبات کو منوانے کی ہر ممکن جدوجہد کریں۔

۱۔ حجاز مقدس کو آل سعود کی خاندانی حکومت سے نجات دلا کر اسے حجازیوں کے حوالہ کیا جائے اور مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ (حجاز) کے مذہبی امور و معاملات کی نگرانی کے لئے عالم اسلام کے مستند علماء پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ کی تشکیل کی جائے۔

۲۔ کویتی بحران کو امریکی و برطانوی سازشوں سے نکال کر خلیج عرب تعاون کونسل، "عرب لیگ" اور اسلامی کانفرنس کے ذریعہ حل کیا جائے۔

۳۔ فلسطینیوں کی ایک آزاد ریاست قائم کی جائے۔ مغربی کنارہ، غزہ پٹی اور بیت المقدس کو اسرائیلی تسلط سے نکال کر انہیں فلسطینیوں کے حوالہ کیا جائے۔

مذکورہ مطالبات کو مان کر اگر انہیں عملی شکل دے دی جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ عالم عرب کا تازہ بحران ٹل سکتا ہے اور بہت سے پرانے جھگڑوں اور اختلافات کا بھی خاتمہ ہو سکتا ہے۔

بصورت دیگر اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ امریکی افواج کوئی بھی شر انگیز کاروائی کرکے عالم عرب کو تہس نہس کر سکتی ہیں اور مغربی طاقتوں کی مدد سے وہ نہ صرف یہ کہ تیل کے سارے چشموں پر قابض ہو جائیں گی بلکہ کئی ایک عرب ممالک کا خون چوس کر انہیں بے دم کر دیں گی اور کئی ایک کی آزادی وسلامتی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔

یہ ایک بہت بڑی صیہونی وامریکی ومغربی سازش ہے جس کا بروقت سدّباب نہ کیا گیا تو صدیوں تک ہمیں اس کی سزا بھگتنی پڑے گی اور آنے والی نسلیں ان عرب حکمرانوں کو کبھی معاف نہیں کر سکیں گی۔

ایسے کسی روز بد سے اللہ تبارک وتعالیٰ سارے عالم عرب کو محفوظ رکھے اور ان کے حکمرانوں کو اس کی توفیق بخشے کہ وہ مزعومہ خداوندانِ مغرب کے سامنے سجدہ ریزی سے باز آ کر اپنے دین وایمان کو سنبھالیں اور مقامات مقدسہ کے تحفظ کی عظیم ذمہ داریاں نبھا کر دنیا وآخرت میں سرخرو اور شادکام ہو سکیں۔ آمین۔

ہمیں سخت حیرت ہے کہ ترک وعرب کے کردار کا تجزیہ کرتے ہوئے ایک طرف تو مولانا ابوالحسن علی ندوی نے یہ لکھا تھا:

"قومی نشہ میں یہ عرب اتنے مدہوش ہوئے کہ کتاب وسنت کے ان نصوص قطعیہ کو بھی بھول بیٹھے جن میں مسلمانوں کے خلاف اعدائے اسلام سے موالات اور ان کے ساتھ رہ کر جنگ ومقابلہ کو حرام فرمایا گیا ہے۔" (ترجمہ ص ۹۔ العرب والاسلام مطبوعہ بیروت)

اور دوسری طرف آج ایک مسلم ملک عراق کے مقابلے میں امریکی وبرطانوی فوج کی مدد لینے پر سعودی عرب کی وکالت فرما رہے ہیں۔ جس کی تائید میں مولانا منت اللہ رحمانی ومولانا اسعد مدنی وغیرہ بھی سرگرم ہیں۔ ع

ایں چہ بوالعجبی ست

حجاز مقدس پر عالم اسلام اور اہل حجاز کا استحقاق

وفد خلافت کمیٹی نے ۲۸ مئی ۱۹۲۶ء کو ابن سعود سے ملاقات کر کے اپنے ان جذبات واحساسات کا اس طرح اظہار کیا تھا۔

"یہ ملک تمام مسلمانوں کا مشترکہ حرم ہے۔ یہاں کوئی اسلامی فرقہ اس بات کا حق نہیں رکھتا کہ وہ صرف اپنے خیال کے مطابق اس حرم اور آثار متبرکہ ومقابر ومشاہد میں ایسا تصرف کرے جو دوسرے فرقوں کے نزدیک صحیح نہیں۔

ہم کسی صورت میں یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ مذہب اسلام کے اہم مسائل کا فیصلہ صرف نجد کے چند علماء کے ہاتھوں میں دے دیں۔ مدینہ منورہ کے مقابر ومآثر کی حفاظت کا ہم سے وعدہ کیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ موتمر اسلامی کے فیصلہ کے بغیر اس کے متعلق کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی، لیکن یہ کس قدر تعجب انگیز ہے کہ اس کی خلاف ورزی کی گئی اور دنیائے اسلام کی خواہشات کے برخلاف اس کے استصواب کے بغیر ان کو منہدم کر دیا گیا۔" (نگارشات محمد علی)

اگلی ملاقات میں بھی ابن سعود ہی کے سامنے اپنے خیالات کی مزید تائید ان الفاظ میں کی۔

"عالم اسلام اس کو کبھی قبول نہیں کر سکتا کہ اس کے علماء کی رائے کی کوئی وقعت نہ ہو اور صرف نجد کے علماء جو چاہیں اس مشترکہ حرم میں کر گزریں۔ کیوں کہ حجاز مقدس مسلمانوں کا مشترک اور مقدس مرکز ہے۔ اس کے بارے میں عالم اسلام کو فیصلہ کرنے کا حق ہے۔"

ورلڈ اسلامک مشن کی حجاز کانفرنس (منعقدہ ۵، ۶ مئی ۱۹۸۵ء) نے بھی ایک قرارداد کے ذریعہ سعودی حکومت سے مطالبہ کیا کہ حجاز مقدس پر دنیا کے سارے مسلمانوں کا حق ہے اس لئے وہاں کی حکومت کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کے سامنے اپنے آپ کو خادم الحرمین کی حیثیت سے پیش کرے، ڈکٹیٹر کی حیثیت سے نہیں۔ نیز سعودی عرب میں بزور شمشیر اہل سنت وجماعت کے مذہب کو ختم کر کے پورے ملک پر نجد کے قاضیوں کا مذہب مسلط کرنا اسلام نہیں، کھلا ہوا جبر واکراہ ہے۔